فون نمبر: 5863260
5862956
مدیر: چوہدری ریاض احمد نائب مدیر: حامد رحمٰن
Email: centralanjuman@yahoo.com
رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 102	11 ربیع الثانی تا 8 جمادی الاوّل 1436 ہجری یکم فروری تا 28 فروری 2015ء	شمارہ نمبر 4-3

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (مجدّد صد چہاردہم)

حقیقی منجّی صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

''خدا کی طرف سے سچا نجات دہندہ وہ شخص ہے جس کی متابعت سے سچی نجات حاصل ہو یعنی خدا نے اس کے وعظ میں یہ برکت رکھی ہو کہ کامل پیرو اس کی ظلمات نفسانیہ اور ادناس بشریہ سے نجات پا جائے۔ اور اس میں وہ انوار پیدا ہو جائیں جن کا پاک دلوں میں پیدا ہو جانا ضروری ہے۔ ہاں جب تک پیروی کنندہ کی متابعت میں کسر ہو تب تک ظلمات نفسانیہ دور نہیں ہوں گے اور نہ انوار باطنیہ ظاہر ہوں گے لیکن یہ اُس نبی متبوع کا قصور نہیں بلکہ خود وہ مدعی اتباع کا اغراضِ صوّری یا معنوی کی آفت میں گرفتار ہے اور اسی اغراض کی وجہ سے محروم و محجوب ہے۔ یہی حقیقی علامت ہے جس سے انسان گذشتہ قصوں اور کہانیوں کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ خود طالب حق بن کر سچے ہادی اور حقیقی فیض رساں کو شناخت کر لیتا ہے اور اس تقدس اور نور کو کہ جو کامل اور فیض رساں ہی کی نسبت اعتقاد کیا گیا ہے نہ صرف اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے بلکہ اپنی استعداد کے موافق اس کا مزہ بھی چکھ لیتا ہے اور نجات کو نہ صرف خیالی طور پر ایک ایسا امر قرار دیتا ہے کہ جو قیامت میں ظاہر ہوگا بلکہ جہل اور ظلمت اور شک و شبہ اور نفسانی جذبات کے عذاب سے نجات پا کر اور آسمانی نوروں سے منور ہو کر اسی عالم میں حقیقت نجات کو پا لیتا ہے۔''

(کتاب: براہین احمدیہ حصہ چہارم ص 293)

اداریہ

امن وسلامتی مقدم ہیں

جب ہم اپنے اردگرد کی دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک طرف سائنسی ترقیات نظر آتی ہیں کہ انسان مریخ اور چاند پر کمند ڈال رہا ہے۔ بڑے بڑے ڈیم بنا کر وسیع وعریض زمین کو قابل کاشت بنایا جا رہا ہے اونچی اونچی بلڈنگوں اور کشادہ سڑکوں والے شہر تعمیر ہو رہے ہیں جہاں کاروں اور گاڑیوں کی لمبی قطاریں نظر آتی ہیں۔ دوسری طرف انسان اخلاقی پستی کی انتہا میں گرا ہوا نظر آتا ہے۔ انسان نے اپنے جیسے انسانوں کو تباہ کرنے کے لئے میزائل، ٹینک اور ایٹم بم وغیرہ تیار کر لئے ہیں۔ آئے دن ممالک میں بم دھماکے ہو رہے ہیں بے گناہ لوگوں کو اڑایا جا رہا ہے۔ بے شمار لوگ اس روشن دور میں بھوکے پیاسے مر رہے ہیں علاج معالجہ تو دور کی بات ہے دو وقت کی روٹی اور سر چھپانے کے لئے چھت کو ترستے ہیں بے ہنگھم ٹریفک کی گیسوں، صنعتی کارخانوں کی کثافتوں اور جنگلات کی بے دریغ تباہی نے ماحول کی آلودگی کو اس قدر بڑھا دیا ہے کہ تمام فضا میں زہریلے اثرات پھیل گئے ہیں حتیٰ کہ دنیا کی محافظ اوزون کی سطح کا بہت بڑا حصہ پھٹ چکا ہے اور خطرناک اور نقصان دہ شمسی شعاعیں طرح طرح کی بیماریوں کا سبب بن رہی ہیں۔ آبادی کی زیادتی اور وسائل کی کمی کی وجہ سے پینے کے پانی کا مسئلہ دنیا میں سنگین صورت حال اختیار کرتا جا رہا ہے اور کہتے ہیں آئندہ جنگیں اس معاملہ پر ہوا کریں گی (اللہ نہ کرے)۔

ہم کسی صورت دنیا سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتے اور اس صورت حال میں آنکھیں بند نہیں کی جاسکتیں کہ دنیا ایک گاؤں بن چکی ہے قوموں کو ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارہ اور رواداری اختیار کرنا پڑے گی۔ تمام اخلاقی ضابطے، مذاہب عالم اس بات پر متفق ہیں کہ انسانیت ایک گھرانے کی مانند ہے۔ اور اس میں امن وامان قائم ہونا چاہیئے جس کے بغیر دنیا میں سکون وقرار حاصل نہیں ہوسکتا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اہلِ مذاہب بھی اس بات کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔

یورپ وامریکہ میں جہاں لادینی نظام قائم ہے انسانی حقوق کے کہیں زیادہ علمبردار ہیں۔ وہ غیر ملکی لوگوں کو اپنے ہاں آنے کی اجازت دیتے ہیں جو وہاں کی قومیت حاصل کر سکتے ہیں اپنا مکان بنا سکتے ہیں ووٹ دے سکتے ہیں اور پارلیمنٹ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ جبکہ خود اسلامی ممالک میں یہ سہولتیں حاصل نہیں حالانکہ حکم الٰہی ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اسی طرح باہمی مشورت (شوریٰ بینھم) کے آسمانی حکم کو نظرانداز کرنے کی وجہ سے قومی وبین الاقوامی حکیمانہ ومتفقہ رویہ پیدا نہیں ہو سکا۔ عالمی افراتفری اسی کا نتیجہ ہے۔ خصوصاً اسلامی گروہوں سے ایسی حرکات سرزد ہو جاتی ہیں جو قومی تشخص کو خراب کرتی ہیں اور دین کی بدنامی کا سبب بنتی ہیں۔ اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ نظریاتی لحاظ سے اسلامی فکر ہر لحاظ سے منفرد وبرتر ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ امریکہ ویورپ میں غوروفکر کرنے والے افراد ہزاروں کی تعداد میں 9/11 کے واقعہ کے بعد اسلام کو قبول کر چکے ہیں۔ اور اسلام کا مطالعہ وسیع تر ہو گیا ہے۔

تمام مسائل کا حل اسلامی تعلیمات میں موجود ہے۔ ان کی عالمگیریت کو کسی صورت محدود کرنا عقل وخرد کے خلاف ہے۔ قرآن میں فرمایا: ''اے لوگو! یقیناً ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔'' اسی کی تفسیر میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔ کوئی گورا کسی کالے سے اور کوئی کالا کسی گورے سے برتر نہیں۔ صلح حدیبیہ کی شرائط اس بات کا اعلان ہیں کہ اسلام امن وسلامتی کا دین ہے۔ کیونکہ اگر امن نہیں تو تمام ترقیات بے معنی ہیں۔

درس قرآن کریم (برموقع سالانہ دعائیہ 2014ء)

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

بمقام جامع دارالسلام لاہور

’’اللہ بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

مومن یقیناً کامیاب ہیں ۔ جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں اور جو لغو سے منہ پھیرنے والے ہیں اور جو پاکیزگی کے لئے کام کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا اُن سے جن کے اُن کے داہنے ہاتھ مالک ہوئے تو وہ ملامت کیے گئے نہیں۔ لیکن جو اس سے آگے نکلنا چاہیں وہ حد سے بڑھنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں یہی وارث ہیں جو فردوس کو ورثہ میں لیتے ہیں، وہ اسی میں رہیں گے۔‘‘ (سورۃ المومنون ۲۳ آیت ۱ تا ۱۱)

کل میں نے یہ اور دیگر چند آیات پڑھ کر خطبہ جمعہ دیا تھا جس میں ان آیات کی تفسیر و تشریح حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے پیش کردہ علم کلام سے استفادہ کرتے ہوئے کی تھی۔ آج دوبارہ سورۃ المومنون کی انہی آیات کو درس قرآن کے لئے منتخب کیا ہے تا کہ جن پہلوؤں پر کل بات نہ ہو سکی ان کو زیر بحث لاکر روحانیت کے مدارج کو طے کرنے کا راستہ تلاش کیا جا سکے۔ کل جس پہلو پر میں نے بات کی تھی وہ نماز کا مضمون تھا اور اس ذریعہ سے میں نے ان دو مرحلوں کو جو روحانیت کی طرف انسان کو لے جاتے ہیں ان پر اپنے خیالات کو شامل کرتے ہوئے حضرت صاحب کی تعلیم کو بیان کیا تھا۔ ان دو مراحل میں ایک نماز میں عاجزی دکھانا اور دوسرا نمازوں کی حفاظت کرنا۔ ان پر تفصیلی بات ہوئی جبکہ دیگر مراحل کو ہم نے اجمالاً دیکھا تھا۔

آج انہی مرحلوں میں سے جو پانچواں مرحلہ ہے وہ امانتوں اور عہد کی پاسبانی ہے ’’اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں‘‘ یہ ان چھ مرحلوں کا پانچواں مرحلہ ہے جس سے انسان کو روحانیت حاصل ہوتی ہے اور جب انسان اس مرحلے میں داخل ہو جائے تو اب وہ تقویٰ جو انسان کے دین کا اصلی مقصد ہے حاصل ہوتا ہے۔ تھوڑی تھوڑی محنت ہم سب متقی بننے کی طرف اور اس کے آگے ترقی کرنے کی طرف ساری عمر ہی کرتے رہتے ہیں۔ اور اس ترقی کی رہنمائی ہمیں قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کی آخری نازل شدہ کتاب ہے جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ہمارے آخری نبی تھے اور ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں پر نازل ہوئی۔

قرآن ھدی للمتقین ہے:

قرآن کو ھدی للمتقین کہا گیا ہے۔ تو ہم اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جیسے جیسے قرآن پڑھتے رہتے ہیں۔ ہماری یاددہانی ہوتی رہتی ہے۔ خطبے ہوں، درس ہوں ان میں کوئی چیز بیان کردے ہمارا علم بڑھتا رہتا ہے کہ یہ تقویٰ کی راہیں ہیں اور ہم اکثر اپنے دلوں میں ارادہ کرکے ایسی مبارک محفلوں میں سے اُٹھتے ہیں اور پکا ارادہ لے کر اٹھتے ہیں کہ جو ہم نے سنا اس پر عمل کرنا شروع کردیں گے۔ تو ایسے نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی ایسا انسان ہو جو تقویٰ کی راہ پر نہ چل رہا ہو لیکن جب ایک زمانے کا امام آتا ہے وہ ایک ایسی جماعت تیار کرتا ہے جس کی بنیاد تقویٰ رکھتا ہے اور پھر ایسے متقی لوگ بنانا چاہتا ہے جو خدا رسیدہ ہوں، خدا کو پہنچ بھی جائیں، خدا کو پہچان بھی لیں اور یہ وہ چھ مرحلے ہیں جو آپ کو اس انتہاء تک پہنچانے کے لئے نشاندہی کرتے ہیں۔ جب انسان اس مرحلہ

پر آجاتا ہے کہ وہ نماز میں عاجزی کرنے لگ جائے ،لغو باتوں اور لغو کاموں سے منہ پھیر لے، اپنے نفسوں کی حفاظت کرنے لگ جائے، زکوٰۃ دینے لگ جائے یعنی پاکیزگی اختیار کرنے لگ جائے اور وہ امانتوں اور عہد کی پاسبانی کرر ہا ہو تو آگے جا کر اس نے نمازوں کی حفاظت کرنی ہے تا کہ جو اس نے پالیا وہ کھو نہ جائے تو یہ جو مرحلہ آتا ہے کہ اپنی امانتوں اور عہد کی پاسبانی کرتے ہیں وہ اب تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مارنے کی کوشش کرر ہے ہوتے ہیں۔تقویٰ کی راہ پر ہر کوئی ہوتا ہے۔قرآن سب کے لئے ھدی للمتقین ہے۔کچھ کچھ اپنی سمجھ کے مطابق چلتے ہیں لیکن یہ یوں ہے جیسے کوئی کسی رُخ پر نکل جائے تو کہیں نہ کہیں تو پہنچ جائے گا شاید اس جگہ کے قریب ہی پہنچ جائے جہاں اسے جانا تھا۔

عہدوں اور امانتوں کی ادائیگی

جب انسان ان باریک راہوں میں داخل ہوجاتا ہے اور مضبوطی سے ارادہ کرتا ہے اور استقامت سے قدم بڑھائے رکھتا ہے۔تو اب وہ خدا اور مخلوق کی تمام امانتوں اور تمام جو اس نے وعدے کرر کھے ہیں ان کو ہر پہلو سے ادا کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ تھوڑا سا دے دیا، تھوڑا سا بچا لیا۔ جب ہم وعدہ کرتے ہیں تو ہمیں تمام کا تمام واپس کرنا ہوتا ہے کیونکہ کوشش یہ کی جارہی ہے کہ کوئی ایسی چیز نہ رہ جائے جو تقویٰ کا مقام حاصل کرنے کے لئے اس سفر کے آخر تک پہنچنے میں حائل ہوجائے۔ ہر وقت ایسے اشخاص اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں پر اندر ہی اندر سے غور کرتے رہتے ہیں۔ جو ہر رات یہ جائزہ کرتے ہیں کہ آج میں نے صبح سے رات اس بستر میں آتے وقت کیا کیا کوتاہیاں کیں اور کیا پتہ ہے کہ اب میں جو اس بستر پر سو جاؤں کہ مجھے جاگ آئے یا نہ آئے تو میں اپنا سارا جائزہ لے لوں، اپنا ارادہ کرلوں کہ میں جو آج غلط کر بیٹھا ہوں اس کے لئے اللہ سے معافی مانگوں گا اور اسی کو کل میں درست کروں گا تو پھر وہ اس ارادے سے سوتا ہے کہ اگر وہ کل نہ اُٹھ پائے تو اللہ تعالیٰ اس کے ارادے کو، اُس کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔ ہر ایک کو پتہ ہوتا ہے کہ میں نے کیا کیا زیادتی کی، کیا کیا غلط کیا اور کیا کیا اچھا کیا۔

اللہ ہی مالک یوم الدین ہے

یہ کسی کو حق نہیں کہ وہ اللہ کے سوا یہ فیصلہ کرتا رہے کہ کس کو اللہ کی پکڑ ہوگی اور کس کے اعمال اللہ کے نزدیک قبول ہوں گے۔کیونکہ اللہ تمام دلوں کے حالات کو بہتر جانتا ہے۔ وہی اللہ ہے جو ایک گنہگار عورت کو ایک کتے کو اپنے موزے سے پانی پلانے سے جنت عطا فرما دیتا ہے اور وہی خدا ہے جو ایک خدا کے نبی رسول اللہ صلعم کے ساتھ لڑائی پر نکلے انسان کو جسے بظاہراً شہادت ملنے پر سب مبارک دیتے ہیں تو رسول کریم صلعم فرماتے ہیں کہ اس کے خلاف میں شعلے اُٹھتے دیکھتا ہوں جو اس نے بغیر اجازت میں کسی غزوہ سے کمبل اٹھالیا تھا تو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ **انسانوں کو جج نہیں بننا چاہیے نہ کسی دین کے معاملے میں نہ کسی کے کردار کے معاملے میں کیونکہ صرف اللہ ہی افعال کی جزا وسزا کا مالک ہے۔**

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک قصہ جو مشہور ہے کہ ایک آدمی بیٹھا یہ کہہ رہا تھا کہ اے اللہ تعالیٰ اگر تو میرے سامنے ہوتا ہے تو میں تیری مالش کرتا، تیرے پاؤں دباتا، تیرے بالوں کی کنگھی کرتا، تجھے اچھا اچھا تازہ تازہ بکری کا دودھ پلاتا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس آدمی پر غصہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا کہ مجھے تو اس آدمی کی باتیں پسند آرہی تھیں جب تک تو اسے نہیں منائے گا تب تک میں تجھ سے ناخوش رہوں گا۔تو موسیٰ علیہ السلام کو اس آدمی سے معافی مانگنی پڑی۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ عورت بھی آئی جس نے کہا اے موسیٰ یہ دعا کر کہ جنت کے دن تو اور میں ایک ساتھ بیٹھے ہوں تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں تو اس مقام پر ہوں گا جہاں پر نبی نبیوں کے ساتھ بیٹھے ہوں گے تو تُو میرے ساتھ کیسے بیٹھ سکتی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے **موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ موسیٰ تیرا کام دعا کرنا ہے سننا یا نہ سننا میرا کام ہے۔ اس لئے دوسرے کے لئے جزا وسزا کے فیصلہ کرنے سے ہمیں بچنا چاہیے اور اپنے اعمال کا خیال کرنا چاہیے کہ ہم میں کوئی کمی نہ رہ جائے جیسے دوسروں کی**

آنکھ میں تنکا بھی لگا ہوا نظر آ جاتا ہے اور اپنی آنکھ میں لگا تیر بھی نظر نہیں آتا۔

امانت کا مفہوم

یاد رکھیں امانت صرف مال و دولت اور زمینوں کے معاملات ہی نہیں ہیں جس میں بھائی بھائی کا خون کر دیتا ہے اس میں خدا کے تمام حقوق آ جاتے ہیں۔ ہمارا مال، ہماری عزت، ہماری جان اور وہ تمام طاقتیں جو اللہ نے ہمیں دی ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں کہ ہم نے اسے صحیح طور پر استعمال کیا ہے یا نہیں اور تمام ہمارے جسم کے حصے بھی اس میں آ جاتے ہیں کہ کیا ہم نے ان کو صحیح طریقہ سے استعمال کیا ہے یا نہیں اور جان تک ہماری اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ یہ ہمارے اوپر ایک قرض ہے جس کی ادائیگی ہمارے اوپر لازم ٹھہرتی ہے۔ ہم کو اللہ تعالیٰ جب یہ ساری چیزیں دے دیں مثلاً وہ ہاتھ دیا جس پر ہم نے گھڑی پہن رکھی ہوتی ہے اور جس نے وہ گھڑی دی ہوئی ہوتی ہے اس کا ہم شکریہ ادا کرتے کرتے نہیں تھکتے لیکن وہ خدا جس نے ہمیں یہ ہاتھ گھڑی پہننے کے لئے دیا، ہمیں نظر دی کہ ہم وقت دیکھ لیں اور ہمیں دماغ دیا کہ ہم وقت سمجھ لیں اُس کے لئے ہمارے منہ سے شکر کا ایک کلمہ نہیں نکلتا ہے۔ یہ نہ بھولیں کہ اس انسان نے جس نے آپ کو ایک گھڑی دے دی تو اس کے دل میں جو نیکی آئی وہ بھی اللہ ہی نے ڈالی تھی۔

لا الہ الا اللہ کا اقرار بھی عہد اور امانت ہے

یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ ہم نے جو لا الہ الا اللہ کہہ دیا یہ بھی ہم پر امانت بن گئی ہے اور اس کے معیار پر یوں اُترنا کہ ہم شرک نہ کریں کتنا مشکل کام ہے جو ہم نے اپنے کاندھوں پر لے لیا۔ ہر نبی نے یہی تعلیم دی پھر ہم چھوٹی چھوٹی چیزوں اور اپنے ذرائع کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور اللہ کو بھول جاتے ہیں۔ ہم ایاک نعبد کہہ دیتے ہیں لیکن عبادات میں شرک ہی شرک کرتے جاتے ہیں۔ ہم ایاک نستعین کہتے ہیں لیکن نہ عبادت میں دل لگتا ہے اور نہ مدد اسی سے مانگی جارہی ہوتی ہے۔

بیعت کنندگان پر اضافی ذمہ داری

تمام اندر کے غرور، تمام اندر کی کمزوریاں اور اَنا جب تک یہ سب ختم نہ ہوں تب تک ہم تقویٰ کی باریکیاں نہیں پا سکتے۔ اس لئے یہ بھی سوچ رکھیں کہ ہم میں تقریباً سب نے بیعت کر رکھی ہوتی ہے، بیعت قرآن شریک کا نچوڑ ہے اور اس کی تعلیم قرآن شریف کا نچوڑ ہے۔ ہم جب بیعت یا تجدید بیعت کرتے ہیں خدا سے استغفار مانگ کر، اللہ اور اس کے نبی حضرت محمد صلعم کا نام لے کر اور اس سلسلہ میں داخل ہو جاتے ہیں جس کو حضرت مسیح موعودؑ نے ایک برادری کہا ہے کوئی پیر پرستی نہیں کہا، کوئی گدی نہیں کہا تو بیعت کرنے کے بعد ہم یہ نہیں سوچتے کہ یہ جو دس شرائط بیعت ہیں جو ایک نچوڑ نکال کر ہمیں اس زمانے کے مسیحا نے دیا اس پر ہاں کر دیا، خدا اور اس کے رسول کا نام لے لیا اور ایک عام کاغذ سمجھ کر اس کو بھی فائل کر دیا۔ ہم اس طرف توجہ کریں کہ اپنے اپنے گھروں میں ان شرائط کے بارے میں سوچیں اور جو یہ سوچتا ہے کہ بیعت نہیں کروں گا اس لئے کہ بہت مشکلات ہو جائیں گی کہ تہجد، نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ، قرآن، سچ بولنا، نظریں جھکائے رکھنا یہ سب کرنا لازم ہو جائے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر ہم بیعت نہ بھی کریں تو بھی یہ سب کرنا ہی ہوگا کیونکہ یہ قرآن کے احکامات ہیں۔ سات سو چیزیں جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ ان میں سے تیس اہم ترین نکال کر مسیح موعودؑ نے اپنی بیعت میں شامل کی ہیں۔ تو ہم وہ تیس بھی نہ کر سکیں تو باقی 670 کیسے کریں گے؟ تو بیعت کو بھی ہم یاد رکھیں کیونکہ یہ بھی ہمارا وعدہ اور عہد اور خدا کے ساتھ امانت بن چکا ہے۔ مخلوق کی امانتیں بھی چکائیں، خدا کی امانتیں بھی چکائیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کا تقویٰ پر قائم رہنا

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ: ”مخلوق کی امانتیں ادا کرتے وقت اگر تنازہ آجائے اور جھگڑا بڑھ جائے تو تقویٰ پر نظر رکھ کر فیصلہ کرو۔ چاہے

اس فیصلہ میں آپ کا نقصان بھی ہو جائے‘‘

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب اپنے والد کے خلاف سکھوں کے کیس میں، سکھوں کی حمایت میں اپنا بیان دے دیتے ہیں اور والد کی زمین بھی چلی جاتی ہے اور اپنے والد کو کہتے ہیں کہ آپ ہی نے مجھے بچپن میں کہا تھا کہ یہ سکھوں کی زمین ہے۔ تو اس زمانے کے امام نے کیا کیا؟ کیا باپ کی زمین بچانی ضروری سمجھی کہ تقویٰ پر اپنا فیصلہ کیا؟۔ اپنی جماعت کے وکلاء کہہ رہے ہیں کہ یہ کہہ دو اور وہ کہہ دو لیکن آپ فرماتے ہیں کہ میں تو سچ بولوں گا‘‘۔ تو یہ بات ہے کہ تقویٰ کے لئے ہم نے کبھی کبھی نقصان بھی اٹھانا ہوتا ہے کیونکہ جو بڑا فائدہ ہے وہ ہمیں آگے ملے گا۔

خداداد طاقتوں کا صحیح استعمال

ہمیں اللہ تعالیٰ نے طاقتیں دی ہیں مثلاً ہم اس ہاتھ کو اچھائی یا برائی کے لئے استعمال کر سکتے ہیں، فیصلہ تو آسان ہے کہ اچھائی کے لئے کریں گے تو پھر وہ اچھائی کیونکر نہیں کرتے؟ **اس زبان سے وہ اچھائی ہم کب کریں گے؟ کب جھوٹ بولنا، غیبت کرنا اور طرح طرح کی چیزیں جو ہم زبان سے کرتے ہیں وہ چھوڑ دیں گے اور اس سے سچائی اور اچھائی نکلے گی۔** کب ہم اپنی آنکھوں سے غلطیاں کرنا چھوڑ دیں گے اور اچھائی کی طرف اُن کو موڑ دیں گے۔ کب ہم پاؤں سے چل کر اچھائی کی طرف جائیں گے اور برائی کی طرف جانا ترک کر دیں گے؟ سوچیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اس قوت کو ہی واپس لے لے پھر تو فیصلہ کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہے گی۔ ایک آدمی اپنے پاؤں پر چل کر ڈاکے ڈالتا تھا، دیواریں پھلانگتا تھا، اب بڑا اچھا ہو گیا ہے کیونکہ جب سے اس کو فالج ہوا ہے بستر پر ہی پڑا رہتا ہے **کیونکہ اس کے پاس کوئی دوسری راہ نہیں تو پھر ثواب کس بات کا؟ اس وقت چیز کا صحیح استعمال کرنا جب اس کے بارے میں صحیح استعمال کرنے کی طاقت ہو ثواب ہے۔** جب بڑھاپے میں سب طاقتیں چلی جائیں تو پھر ہم تسبیح لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی دَین ہے کہ چلو بڑھاپے میں ہی جا کر اس کو میرا خیال آیا۔ خدا کا یاد کرنا، ہر چیز کو صحیح صحیح استعمال کرنا، صحیح عمل کرنے سے ہی روحانی ترقی ہمیں حاصل ہوگی۔

یہ میں نے جتنی مثالیں دی ہیں مثلاً کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، زبان ان سب کا مشاہدہ ہم کر سکتے ہیں لیکن کچھ باطنی چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہیں جن پر قابو پانا بھی ضروری ہے۔ دل جس کو ہم دیکھ نہیں پاتے لیکن اس کو بھی ساتھ ساتھ لے کر چلنا اور اس کے اندر جو امانت پڑی ہے اس کا بھی ادا کرنا اور اسے شیطان جیسے دشمن سے بچائے رکھنا بھی ہمارا فرض ہے۔

جب ہم میں دم ہے ہم اپنی آنکھ، کان، زبان، ہاتھ پاؤں صحیح طرح استعمال کرنے کا ارادہ ساتھ لے کر جائیں کیونکہ یہ امانت ہے اور اسی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ **قیامت کے روز ہاتھ اور پاؤں، آنکھیں یہ سب چیزیں آپ کے خلاف گواہی دیں گی،** وہ گواہی یہی ہوگی کہ اتنی بڑی نعمت اللہ نے اس کو دی اور اس نے اس سے غلط کام لیا کیونکہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو وہ مردہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں اور اپنا ارادہ اگلے جہاں ساتھ لے جاتا ہے۔

اللہ کے آگے جھکے رہنا

حضرت رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ’’وہ تاج پہنا سر جو خدا کے آگے نہیں جھکتا تھا اس کا تاج بھی میں نے اپنی آنکھوں سے گرتا ہوا دیکھا اور اس کے سر کو کیڑوں سے کھاتے ہوئے بھی دیکھا‘‘۔

اللہ کے آگے سر جھکائیں تا کہ آپ کا سر بلند رہے۔ جو امانت ہم نے لٹانی ہے وہ اسی زندگی میں لوٹانی ہے۔ جہاں پر آپ اور ہم سمجھیں کہ تقویٰ کمزور ہو رہا ہے تو نماز کے بعد تھوڑا سوچیں کہ فجر سے عشاء تک میں نے کیا کیا جو ہمیں نہیں کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں اور آئندہ ارادہ کریں کہ ان سے بچیں گے۔

استغفار ترقی اور تقویٰ کا دروازہ

حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ دل کو اور باقی جسم کو انسان صحیح طور پر

استعمال نہیں کرتا اور اپنی امانتوں کو لوٹا تا نہیں تو اس کے دل پر شیطان راج کرنے لگ جاتا ہے اور وہ لوگ جو مانتے ہیں کہ ایک امام آیا جس کو انہوں نے پہچانا اور وہ ایک پیغام لے کر آیا وہ پیغام متقی بننا ہے۔اس شیطان کی قوت اور جو خیمے اس نے دلوں میں گاڑ رکھے ہیں ان کو نکال باہر پھینکنا ہے اور اس کی جگہ اللہ کے لئے ایک صاف ستھرا قلب تیار کرنا ہے تاکہ وہ اس میں آ کر بسیرا کرے۔اس کا ایک بڑا ذریعہ استغفار ہے کیونکہ استغفار سے ہم جانتے ہیں کہ معافی بھی مانگ سکتے ہیں، گناہوں سے اس کے ذریعہ بچ بھی سکتے ہیں اور اسی کے ذریعہ ہی تقویٰ میں ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔اسی کے ذریعہ ہماری قوتِ ایمانی ترقی کرسکتی ہے۔

نبیوں کا استغفار

رسول کریم صلعم کی احادیث میں آتا ہے کہ وہ 70 مرتبہ استغفار کرتے تھے اور وہ ہمیشہ سجدے میں ہی رہتے تھے۔باقی ادیان میں مخالفین نے یہ کہا کہ نبیؐ تو استغفار کرتا ہے تو یہ پاک نبی کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ جب ایسے اعتراضات کرتے ہیں تو وہ بھول جاتے ہیں کیونکہ ان کی اپنی کتب میں ان کے اپنے انبیاء جن کو ہم بھی مانتے ہیں وہ استغفار کرتے تھے۔وہ بھول جاتے ہیں کہ 'خروج' کے 34 باب اور آیت نمبر 7 میں بھی لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے جلدی سے سرزمین پر جھکایا اور خداوند کریم سے کہنے لگے کہ اے خداوند کریم ہماری خطائیں اور گناہ معاف فرما۔تو جب رسول کریم صلعم کہیں کہ ہماری خطائیں اور گناہ معاف کر تو اس پر اعتراض کرتے ہیں لیکن موسیٰ علیہ السلام کہیں تو ان کے نزدیک یہ بڑی اچھی بات بن جاتی ہے کیونکہ بائبل نہ انہوں نے پڑھی، قرآن نہ ہم نے پڑھا ہے تو ہم میں اور ان میں فرق کیا رہ جائے گا۔

نبی جب استغفار کرتے تھے تو اس کی ایک وجہ یہ ہوتی تھی کہ وہ ہر وقت یہ محسوس کرتے تھے کہ میرے سے وہ حق نہیں ادا ہو رہا ہے جو میرے اوپر آتا ہے ان لوگوں کو مسلمان بنانے کے لئے وہ چاہتے تھے کہ ہر ایک انسان مسلمان بن جائے۔ہم بھی اپنی حالت ایسی بنالیں کہ ہم اچھے احمدی بن جائیں اور اچھی تعلیم لوگوں کو پہنچائیں۔ہم میں جو کمیاں ہیں ہم ان کے لئے استغفار کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس درجہ پر لے جائے کہ ہم آگے بھی اس کا نمونہ دکھا سکیں اور اس پیغام کو ہم آگے لے جائیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "**تو اس غم میں اپنے تئیں ہلاک کردے گا کہ لوگ ایمان نہیں لا رہے**" ہم اگر لیبل لگا کر پھر رہے ہیں کہ احمدی اور مسلمان، تو پھر اس لیبل کو آگے پاس کرنے کا کیا فائدہ؟ اندر کمزوریاں ہوں اور باہر لیبل ٹھیک ہو تو کوئی فائدہ نہیں تو پہلے اپنے آپ کو ٹھیک کریں اور پھر آگے اس کو پھیلائیں تو پھر ہی قبولیت ہوگی۔آپ کا کردار گواہی دے گا کہ آپ احمدی ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر چل رہے ہیں تو پھر ہمارا مقصد حیات حاصل ہوگا اور ہمیں یہ ترقی نصیب ہوگی۔

دعا

اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہو اور ہماری اصلاح ہونے میں ہماری مدد کرے اور ہمیں نیک، مخلص اور اچھے احمدی یعنی کہ اچھے مسلمان بنائے۔اللہ تعالیٰ ہمارے ملک اور جماعت کی حفاظت فرمائے اور ہمیں آج کے درس کی روشنی میں اپنے نفوس کی ترقی میں مدد فرمائے۔آمین

☆☆☆☆

آنحضرت صلعم کے حق میں عالم کتاب کی شہادت

حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھیؒ

"کہو اللہ کافی گواہ ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان اور جس کے پاس کتاب کا علم ہے"۔ (43:13)

(وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شہادت دے گا) وہ کتابیں جو غیر مذاہب کی کفالت میں ہزار ہا سال سے چلی آتی ہے اور مسلمانوں نے آج تک اپنے ساڑھے تیرہ سو سال کے طویل عرصہ میں ان کتب مقدسہ کی زبانوں کو سیکھنے اور ان کا مطالعہ کرنے کی کما حقہ کوشش نہیں کی حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اللہ تعالی کی شہادت کے بعد اس شخص کی شہادت کا درجہ ہے جو **من عندہ علمہ الکتاب** کا مصداق ہے یا جس کے پاس اس عظیم الشان کتاب کا علم ہے جو مختلف مذاہب کے انبیاء کو دنیا کی مختلف زبانوں میں وحی کی گئی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے اس زمانے میں جو اسلام کے لئے **لیظھرہ علی الدین کلہ** کا زمانہ ہے یعنی اسلام کو کل ادیان پر غالب کرنے کا زمانہ اسلام کی صداقت کے بے شمار دلائل اس زمانے میں پیدا ہوں گے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق دعویٰ پر مختلف مذاہب کے عظیم الشان انبیاء کی شہادت کا اظہار بھی اسی زمانے سے مخصوص ہے۔ اس سے پیشتر مذاہب عالم اپنی اپنی کتابوں کو کس قدر اہتمام اور کوشش سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ اس کی داستان نہایت طویل ہے۔ سرولیم جونس جن کی محنت اور کاوش کا ہی ثمر ہے کہ آج زبان سنسکرت اقصائے مغرب میں جلوہ فگن ہے اور ویدوں کے نایاب پوشیدہ نسخے یورپ سے چھپ کر مشرق میں شائع ہو رہے ہیں۔ یہ وہی سرولیم جونس ہیں جو 1783ء میں فورٹ ولیم کلکتہ میں اعلیٰ جج مقرر ہو کر تشریف لائے تھے۔ انہی نے بنگال میں ایشیاٹک سوسائٹی قائم کر کے ملک پر اتنا زبردست احسان کیا ہے جو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ایشیاٹک سوسائٹی ہی کی محنتوں اور کاوشوں سے ویدوں کے قدیم نسخوں اور دوسرے سنسکرت لٹریچر کو روشنی دیکھنی نصیب ہوئی۔ سرولیم جونس نے جب سنسکرت کے اکتساب کا ارادہ کیا تو ملک کے طول و عرض میں بیش قرار تنخواہ کے لالچ کے باوجود کوئی پنڈت انہیں سنسکرت سکھانے پر آمادہ نہ ہوا۔ قدیم ریکارڈ سے اتنا پتہ ضرور ملتا ہے کہ دو تین پنڈت خفیہ طور پر سرولیم کے تنخواہ کی بابت دریافت کرنے گئے تھے۔ لیکن یہ بات پنڈت برادری پر پوشیدہ نہ رہی اور ان پنڈتوں پر بُری طرح زلزلہ گرا۔ ان کا حقہ پانی بند، روٹی بیٹی کا سروکار اور رشتہ ناطہ بالکل منقطع ہو گیا برادری کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر پنڈتوں کا شوق اتالیقی سرد پڑ گیا۔

کرشن نگر کے مہاراج شوچندر سرولیم کے دوست تھے انہوں نے بہت کوشش کی لیکن اس ملیچھ سرولیم کو سنسکرت پڑھانے کے لئے کوئی پنڈت تلاش کر کے نہ دے سکے۔ آخر کار ایک "جورو نہ جاتا خدا سے ناطہ"، پنڈت رام لوچن نام اس کے لئے تیار ہو گئے۔ وہ دنیا میں بالکل اکیلے تھے۔ دوست احباب تھے لیکن سو روپیہ ماہوار اور مکان سے چورنگی تک پالکی کی سواری ایسی مراعات تھیں کہ پنڈت جی نے دوست احباب کی پروا نہ کی۔ اب پنڈت جی کی سنسکرت سکھانے کے لئے پابندیاں اور شرائط ملاحظہ ہوں مگر آفرین ہے۔

سرولیم جونس پر کہ تمام کڑیاں جھیلیں اور اپنے عزم میں ذرہ برابر فرق نہ آنے دیا۔ بنگلہ کے زیریں حصہ میں ایک کمرہ درس و تدریس کے لئے مقرر ہوا۔ پنڈت جی کے حکم سے اس میں سنگ مرمر کا فرش لگوایا گیا۔ بنگلہ کے احاطہ میں کسی قسم کا گوشت آنے کی اجازت نہ تھی۔ سرولیم پنڈت جی سے نہار منہ خالی پیٹ درس لیا کریں، جب وہ بہت منت سماجت کرتے تب کہیں پنڈت جی ایک پیالہ چائے پینے کی اجازت دیتے تھے۔ ایک سوار مقرر تھا جو وقت مقررہ سے

آدھ گھنٹہ پہلے پنڈت جی کو اطلاع دینے جایا کرتا تھا کہ حضور پڑھائی کا وقت ہو چکا۔ پھر پنڈت جی نازل ہوتے تھے کمرہ سے ملحقہ ایک کوٹھری انہیں اس غرض کے لئے دے دی گئی تھی کہ پوتیر کپڑے جو پنڈت جی پہن کر آتے تھے کوٹھری میں ٹانگ دیں اور صاحب کے سامنے جانے کا لباس زیب تن کر لیں۔ ایک ہندو مقرر تھا جو روزمرہ درس کے کمرے کے در و دیوار اور فرش کو گنگا جل سے پاک وصاف کرتا تھا۔ کرسیاں اور میز بھی اسی سے مطہر کی جاتی تھیں۔ پنڈت جی کا مزاج چڑ چڑا تھا اور وہ اکثر سر ولیم کو جھڑک دیتے تھے کہ گوشت خور کبھی سنسکرت نہیں سیکھ سکتے، ملیچھوں کی زبان نہیں ہے۔ یہ دیوتا کی بانی ہے سر ولیم ان باتوں کا جواب خندہ پیشانی سے دیتے۔ آخر کار سر ولیم جونس نے سنسکرت سیکھ ہی لی اور کوئی ہوتا تو ان حالات میں اس کا شوق سنسکرت دو چار دن میں ہی سرد ہو جاتا۔

غرض پارسیوں اور ہندوؤں کی کتابوں کو جن لوگوں نے گوشہ گمنامی سے باہر لا کر منظر عام پر پیش کیا۔ ان کی کوششیں اگرچہ تجارتی تھیں تاہم ان کی سعی کے ہم ممنوں ہیں۔ انہوں نے ان مختلف زبانوں کو جان کاہ کوششوں سے سیکھا اور ان کتابوں کو شائع کیا مجھے تو اس میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی پیش خبری نظر آتی ہے۔ جناب مسیح علیہ السلام صبح کا وہ ستارہ تھا جو افق عالم پر آفتاب رسالت کی آمد کی انجیل (بشارت) لایا تھا اس لئے آپ کے نام لیواؤں کی علمی خدمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ہمیشہ ہمیشہ دلیل راہ رہی ہیں۔ وہ خدمات علمی خواہ دینوی علوم سے متعلق ہوں یا خالص مذہبی تحقیقات سے مسلمانوں کی موجودہ علمی کم مائگی، تمدن کا زوال اور تبلیغ دین کی بجائے باہمی تکفیر و تفسید کی تخریبی کوششیں ایسے اسباب اور قرآئن ہیں جو اسلام کے مٹانے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود صرف مسلمان ہی نہیں پڑھتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ بھی درود پڑھتے ہیں اور اگر کسی آلۂ جہاں نما سے اس درود کے اثرات کا مطالعہ کیا جائے تو مسلمانوں کا درود تو اب اس آفتاب رسالت پر ظلمت اور تاریکی کے کسوف پھینک رہا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کا درود ان ظلماتی بادلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کا رخِ انور بے نقاب کر رہا ہے وہ علمی خدمات فلسفیانہ موشگافیاں اور مذاہب قدیم پر لٹریچر جو یورپ سے شائع ہو رہا ہے اس میں صداقت اسلام پر بے شمار دلائل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر عیسائی راہب اور علماء اگر فارقلیط (احمد) کی آمد کا نہایت بے صبری سے انتظار کر رہے تھے اور اپنی شبانہ روز دعاؤں اور تحفہ اسلام سے (مارانا تا) دنیا کو آنحضرت صلعم کی آمد کی بشارت دے رہے تھے تو آج اپنی علمی موشگافیوں سے اس محسن مسیحا کی صداقت کو ثابت کر رہے ہیں۔ جناب مسیح علیہ السلام ان کی والدہ اور ان کے شجرۂ نسب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ کم احسان نہ تھا اور یہ اسی عظیم کا حقیر سا بدلہ ہے کہ یہ لوگ ہزاروں اور لاکھوں روپیہ کے خرچ اور مصیبتوں کو جھیل کر خدمت اسلام کا کام کر رہے ہیں۔ کیا عجیب ہے کہ ان کی جانکاہ کاوشوں کی جزا میں انہیں اسلام جیسی نعمت نصیب ہو جائے۔

مسلمانوں کے ہاتھ سے اس کام کے نہ ہونے میں اگر اس قوم کی ثواب عظیم سے محرومی اور نا قابلیت کا ثبوت ہے تو دوسری طرف اس میں ایک حکمت بھی پوشیدہ ہے اگر مسلمان ان مذاہب قدیم کی کتابوں کو قعر گمنامی سے منصۂ شہود پر لاتے ہیں تو ان کتابوں میں تحریف کا شبہ مسلمانوں پر کیا جا سکتا تھا لیکن ان مذہبی کتابوں کے حامل اور ان کے پوشیدہ رکھنے میں حد درجہ کے مساعی اگر خود وہ اہلِ مذاہب تھے تو دوسری طرف ان کے ظاہر کرنے والے بھی مسلمان نہ تھے بلکہ ایک غیر قوم کے عالم تھے جنہیں اسلام کے ساتھ ایک گونہ مخالفت تھی تا وہ پیشگوئیاں جو ان کتابوں میں موجود ہیں۔ ہر قسم کی تحریف کے شک وشبہ سے پاک رہیں اور شاید یہی حکمت تھی کہ مسلمانوں کے عہد حکومت میں وساتیر اور وید وغیرہ کتب پوشیدہ رہیں اور یہ علمی خزانہ مسلمانوں کو ان کی ہر قسم کی بے مائیگی اور فقر کے زمانے میں دیا گیا تا یہ اس امر کی دلیل ہو کہ اسلام اپنی صداقت کے منوانے کے لئے دنیوی شوکت کا محتاج نہیں بلکہ اس کے دامن میں وہ علمی جواہر ریزے بھی موجود ہیں جو ہزار ہا سال تک غیر مذاہب کے خزانوں میں بطور ایک

نایاب عطیہ خداوندی کے مدفون رہے۔

ختم نبوت پر ایک زبردست شہادت

''آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارا دین اسلام ہونے پر میں راضی ہوا''۔(المائدہ 5:3)

اسلام کا یہ عقیدہ کہ نسلِ انسانی کی ہر ایک اُمت میں نبی اور رسول مبعوث ہوئے اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی موعودکل ادیان ہیں۔آنحضور کی ختم نبوت پر بھی ایک زبردست دلیل ہے۔حضور کی بعثت سے پیشتر دنیا کی ہر ایک قوم صرف اپنے اپنے قومی انبیاء کی صداقت کی قائل تھی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک انبیاء کی آمد کا سلسلہ جاری رہا تھا کل انبیاء پر کامل ایمان ہو ہی نہ سکتا تھا اور نہ ان سب کی تصدیق ہو سکتی تھی۔ہاں جب انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا اور نبی آخرالزماں جو موعودکل ادیان تھا آچکا تو انبیاء عالم کا قصر نبوۃ مکمل ہو چکا اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ وحدت نسل انسانی کو قائم کرنے کے لئے خاتم الانبیاء کی وساطت سے کل انبیاء عالم پر ایمان لایا جائے تا دنیا کی کل قومیں اسی نبی آخرالزماں پر ایمان لا کر انبیاء عالم کی مصدق ٹھہریں اور دنیا کی قومیں ایک ہی قصر نبوۃ کے گرد طواف کریں اور یوں نسل انسانی کی پراگندہ اور متفرق اقوام کے اندر رشتہ اتحاد پیدا کیا جائے۔اور وہ چیز جو ابتداً آفرینش سے مقدر اور حکمت خداوندی کو مطلوب تھی تکمیل کو پہنچ جائے اور یہ امر اس بات پر روشن دلیل ہو کہ دنیا کا یہ کارخانہ کسی اندھے قانون کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک حکیم و علیم خدا کے تصرف اور ارادہ سے ارتقاء کی منازل طے کر رہا ہے۔اور یہی پُرحکمت سنت الٰہی اس امر پر بھی حجت ہو کہ ابتداء عالم میں ایک قوم کے شیرازہ کو متحد کرنے کے لئے ایک مختصر سے مذہب کی ضرورت تھی تو تمام اقوام عالم کو ایک رشتہ اتحاد میں منسلک کرنے کے لئے ایک کامل مذہب اور خاتم النبیین کی اس سے بھی بڑھ کر ضرورت تھی۔ابتداء میں اگر ایک مختصر سے کنبہ آدم کو آپس کے فتنہ وفساد سے بچا کر قائم رکھنے کے لئے وحی الٰہی کے ذریعہ سے افراد میں رشتہ محبت و اخوت پیدا کرنا ضروری تھا تو آخر پر تمام قوموں اور مذاہب کے اختلافات کے مٹانے اور انہیں ایک دین قیم کے زیر سایہ لانے کے لئے ایک ہی رشتہ اتحاد کی اس سے بھی ہزار گنا بڑھ کر ضرورت ہے۔اقوام عالم اور انبیاء مذاہب میں یہ رشتہ اخوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پورا ہو گیا۔

ختم نبوت کے بعد اجراء نبوت فسادات کا موجب ہے۔

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اعلیٰ درجہ کی اُمت بنایا ہے تا کہ تم لوگوں کے پیشرو بنو اور رسول تمہارا پیشرو ہو''۔(2:143)

خانہ کعبہ کو جو توحید کا اصل مرکز ہے قبلہ مقرر کرنے میں ہم نے یہ سبق دیا ہے کہ یہ نبی آخری نبی ہے اور آپ ہی کے پیرو امن عالم کی تاسیس میں دنیا کے پیشرو ہوں گے اور ان سب کا امام اور پیشرو محمد صلعم ہیں۔

اس مقصدِ عظمٰی کے حصول کے بعد یعنی ختم نبوت اور تکمیل دین کے بعد کسی نئی نبوت کا اجراء یا ایسی نبوت کا ادعا جس کے اقرار اور انکار سے کفر و اسلام کی ایک نئی تفریق پیدا ہو جائے۔اقوام و مذاہب کی اس متحدہ جمعیت کو پراگندہ کرنا اور حکمت الٰہی کو باطل ٹھہرانا ہے۔جس سے تین قسم کے فتنے پیدا ہوتے ہیں:

فتنہ اوّل:

اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق ہے کہ اس نے ابتداء عالم سے دنیا کی مختلف قوموں کی تربیت انبیاء کے طویل سلسلہ سے ایک ایسے طریق پر کی کہ وہ ایک یوم موعود میں سب کی سب متحد ہو سکیں اور پھر اس مقصود و مطلوب کے حصول کے بعد خود ہی اور نبی بھیج کر اس متحدہ جمعیت کو پراگندہ کر دیا۔تیرہ سو سال تک بڑی بڑی قربانیوں اور تبلیغی کاوشوں کے بعد ساٹھ کروڑ کی ایک ایسی جماعت تیار کی جو کل انبیاء کی مصدق اور دنیا کی اقوام میں امن و صلح کی پیامبر تھی مگر اس کے بعد معاً اس کے دل میں خیال آیا کہ اب پھر اس گلہ کو ایک اور نبی یا مظہر اللہ مبعوث کر کے متفرق اور ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہیے گویا معاذ اللہ خدا بھی اس بڑھیا کی مانند ہے جس کی مثال خود قرآن کریم کی سورۃ النحل 96:12 میں موجود ہے۔

ختم نبوت کے بعد اجراء نبوت سے دوسرا فتنہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سے

مذہب کی ضرورت ہی باطل ہو جاتی ہے مذہب کی اصل غرض اتحاد نسل انسانی ہے۔ اگر اس مقصد کے حصول کے بعد بھی نبی آئے تو مذہب کی نہ صرف غرض فوت ہو جاتی ہے بلکہ وہ ایک امر عبث اور لغو ٹھہر جاتا ہے موعود کل ادیان سے پیشتر بیشک نبی آسکتے ہیں۔ اور آتے رہے لیکن اس موعود کے بعد کہ جس کی اہمیت اسی امر سے ظاہر ہے کہ انبیاء عالم اس کے حق میں پیشگوئیاں کرتے ہیں اور اپنی اُمتوں کو اس پر جمع ہونے کی تاکید کرتے ہیں اور اس پر دین اسلام کی جو ابتداء عالم سے حسب ضرورت نازل کیا گیا تکمیل ہو جاتی ہے۔ اور الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (3:5) کی وحی الٰہی کے بعد کسی اور دین اور نبی کا آجانا گویا دین اسلام کے بعد دین فساد اور فتنہ کا دین ہوگا۔

ختم نبوت کے بعد اجراء نبوت سے تیسرا فتنہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ موعود کل ادیان کی بعثت کو باطل ٹھہراتا ہے۔ اگر نبوت نے ہمیشہ ہمیشہ جاری رہنا ہے تو تمام قوموں کے لئے ایک نبی کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ حسب سابق ہر اُمت میں الگ الگ نبی آتے رہے۔ جو اپنی اپنی قوم کی اصلاح کر دیا کرتے تمام اقوام کے موعود نبی کے بعد اس کی امت میں انبیاء کا آنا بالخصوص ایسے انبیاء کا آنا جن کے دعوے کے انکار سے کوئی مسلمان کافر ہو جائے اس امت کے اتحاد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاش پاش کرنا ہے اور موعود کل ادیان کی اہمیت اور عظمت کو یکسر مٹا دینا ہے۔ اُمت مسلمہ کی فضیلت اور شان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال اسی امر کا متقاضی ہے کہ کوئی آئندہ آنے والا شخص اپنے دعویٰ کے انکار سے اس رشتہ اتحاد کو شکست نہ کر دے جو ابتداء دنیا سے اللہ تعالیٰ کو مطلوب اور انبیاء عالم کا کعبہ مقصود تھا۔ قصر نبوت مکمل ہو چکا۔ اب کسی نئے نبی کے لئے کوئی جگہ نہیں مگر اس طرح کہ کوئی اس قصر نبوت کی معاذ اللہ تخریب کر کے جگہ کو پیدا کرے۔ پیشگوئیوں کے اس مجموعہ میں ختم نبوت کے روشن نشان ہیں نہ صرف قرآن کریم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ختم نبوت پر شاہد ہیں بلکہ ان پیشگوئیوں کے مجموعہ میں آپ دیکھیں گے تو انبیاء عالم کی متفقہ شہادت بھی یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد دعویٰ نبوت کفر وارتداد ہے اور جو شخص اس حرم پاک سے باہر قدم رکھے گا وہ یقیناً دہریت کا شکار ہوگا۔

از حدیم کعبہ چوں آہو رمید

ناوک صیاد پہلویش درید

ہنود یہود، بدھ، عیسائی اور پارسی حضرات سے خطاب

موجودہ قانون شہادت میں اگر یہ اصول مسلم ہے کہ:

Documents are superior to oral testimony and are not to be overruled by witnesses or by an oath.

”تحریری سند زبانی شہادت پر فضیلت رکھتی ہے اور اسے گواہوں کی شہادت اور قسم سے مسترد نہیں کیا جاسکتا“

تو غور کیجئے کہ یہ الٰہی نوشتے اور تحریری اسناد جو ان مقدس انبیاء رشیوں اور وخشور کی یادگار ہیں جن کی نسبت ہر مذہب کے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ وہ کسی دینوی غرض، لالچ اور فریب سے جھوٹ نہیں بولا کرتے تھے۔ ان کی زندگی عوام کی زندگی سے اس قدر بلند تھی کہ بعض ان میں سے خدا اور اوتار اور خدا کے بیٹے سمجھے جا کر پوجے گئے جن کی شمع حیات نے کروڑوں مُردوں کو زندگی بخشی جن کا نام زبان پر لانے کے لئے منہ کے پاک ہونے کی شرط ہے ان کے پاک کلمات میں ایک عظیم الشان نبی کے ظہور کی پیش خبری ہے۔ اس موعود نبی پر ایمان درحقیقت اپنے انبیاء کی اطاعت اور اپنے رشیوں اور وخشور کی فرمانبرداری ہے۔ مختلف مذاہب کے پیرو بلکہ صداقت مذہب میں متردد اشخاص کے لئے بھی یہ امر قابل غور ہے کہ وہ انبیاء جو ہزار سال پیشتر عرب سے دور دراز ممالک میں مبعوث ہوئے انہوں نے ایک ہی خبیر اور علیم ہستی کی وحی سے خبر پا کر ایک عظیم الشان نبی کے ظہور کی پیشگوئی کی اور پیشگوئی بھی مسیح کی پیشگوئیوں

کی طرح محض خبر کے رنگ میں نہ تھی بلکہ اس کے ساتھ دلائل اور اللہ تعالیٰ کی زبردست قوت اور قدرت کے نشانات کا سلسلہ تھا جس کا پیدا کر لینا ایک کمزور انسان کی طاقت سے قطعاً ناممکن تھا۔ کیا یہ امر واقعہ اس قابل نہیں کہ دنیا کے عقلاء اور دانشمند اس پر غور کریں۔ ایک اُمی اور دینوی علوم اور مذاہب سے ناواقف شخص ایک ایسی بات کہتا ہے جو اس سے پیشتر کسی عالم نے نہ کہی اور آج مذہب کی تاریخ لکھنے والے اس اُمی کے قول کی تصدیق کرتے ہیں کہ دنیا کی کل اقوام میں انبیاء اور مصلحین کا سلسلہ ایک زنجیر کی طرح مسلسل زمانہ کے ساتھ ساتھ چلتا نظر آتا ہے۔ دوسری طرف دنیا کی تمام متفرق اقوام کے مختلف زبانیں رکھنے والے انبیاء ہزاروں سال پیشتر اپنی اپنی بولیوں میں اس شخص کے متعلق بشارات دیتے ہیں اور وہ ایک موعود کل ادیان ان کے بیان کردہ نشانات کے مطابق مبعوث ہوتا ہے پھر سب سے بڑھ کر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اس موعود کی تعلیم اقوام عالم اور نسل انسانی میں وحدت پیدا کرنے میں بے نظیر ہے جس کی اس دور فتنہ وفساد میں از بس ضرورت ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشگوئیوں کی خصوصیات

معجزات اور پیشگویاں اکثر انبیاء کی حیثیت کے مطابق وقتی اور ان کی اپنی قوم کی کتابوں تک محدود ہی ہیں چنانچہ مسیح اور الیاس کے متعلق پیشگویاں صرف انبیاء بنی اسرائیل کی کتب تک محدود ہیں غیر مذاہب کی کتابوں میں کہیں ان کا ذکر تک موجود نہیں اگر احیاناً کوئی پیشگوئی موجود بھی ہو تو خود مسیحیوں کو غیر اقوام میں نبوت کے وجود سے انکار ہے پس ان کے اپنے نکتہ نگاہ سے وہ پیشگوئی من جانب اللہ نہ ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اناجیل میں جناب مسیح کے متعلق پیشگویاں صرف انبیاء بنی اسرائیل کی ہی منقول ہیں۔ کسی غیر مذہب کی پیشگوئی کا حوالہ نہیں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی انبیاء عالم میں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ کے متعلق دنیا کے تمام انبیاء کی کتابوں میں موجود ہیں۔

حضور صلعم کی پیشگوئیوں میں اور دوسرے انبیاء کے متعلق پیشگوئیوں میں ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ دوسرے انبیاء کی پیشگوئیاں اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کوئی ثبوت بھی نہیں رکھتیں بلکہ وہ معمولی واقعات زندگی سے متعلق ہیں لیکن آنحضرت صلعم سے متعلق پیشگوئیوں میں خداوند کریم کی زبردست قوت اور علمی شہادتوں کا ذکر ہے یعنی باوجود فقدان قرائن و اسباب ناممکن کا ممکن اور محالات کے وقوع پذیر ہو جانے کا ثبوت موجود ہے۔ اسی لئے بعض پیشگویوں میں حضور کی آمد کو خود خدا کی آمد قرار دیا گیا ہے۔ وہ بات جو انسان کے لئے ناممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ناممکن نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وتائید میں چونکہ قدرت کا اپنا کرشمہ تھا اس لئے بعض پیشگویوں میں آپ کی آمد کو خود خدا کی آمد کے استعارہ میں تعبیر کیا گیا۔

پیشگوئیوں میں چند ایک مفاہمتیں

ہر علم وفن میں ان لوگوں کے لئے جو اس سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں بعض خاص اور ضروری مفاہمتیں ہوتی ہیں۔ مصور آزاد ہے کہ ذرا سے کاغذ پر میلوں لمبے سفر کی تصویر پیش کر دے ہموار سطح پر طول وعرض کے علاوہ عمق بھی دکھادے۔ بت تراش کو اختیار ہے کہ بغیر حرکت اور رنگ کے مجسمہ پیش کر دے۔ اس قسم کی بعض مفاہمتوں سے ہم مانوس ہوتے ہیں۔ اس پر اعتراض نہیں کرتے ورنہ ہماری وہی حالت ہوگی جو امریکہ کے اصل باشندوں کی تھی جنہوں نے چہرہ تصویر کا صرف ایک پہلو ہونے پر اعتراض کر دیا تھا۔ بعض عارضی اور اتفاقی مفاہمتیں بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً سنگ تراش کا بت کھڑا کرنے کے لئے سہارا دے دینا وغیرہ وغیرہ اسی طرح پیشگویوں میں بھی کچھ مفاہمتیں ہیں۔

(ا): ان کی عبارت ہمیشہ مفصل نہیں ہوتی۔ بائبل میں جس قدر پیشگویاں موجود ہیں وہ مسیح کے متعلق ہوں یا کسی اور موعود کے متعلق ان سب میں کوئی تفصیل موجود نہیں بلکہ اکثر مبہم اور تعبیر طلب ہوتی ہیں اور عوام پر اکثر مشتبہ رہتی ہیں اور خواص پر بھی قرائن سے یا اس موعود نبی کے ظہور اور اسی کی تفسیر سے واضح

ہوتی ہیں۔عیسائی نکتہ خیال سے تو جس کی نسبت بشارت ہو کبھی وہ بھی اسے نہیں سمجھ سکتا۔یوحنا خود ایلیا ہونے سے انکار کرتا ہے حالانکہ مسیح اسے ایلیا قرار دیتے ہیں (دیکھو لوقا 1:17 متی 14:11 اور 12:17)

پرشورام اور رام چندر دونوں اوتار تھے مگر ایک دوسرے کو نہ پہچان کر آپس میں لڑ پڑے۔

(۲): پیشگویوں میں بالعموم نام صفاتی ہوتے ہیں ذاتی نہیں ہوتے۔یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کی قیمت اس کی صفات کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ کہ اس کے ذاتی نام کے لحاظ سے دیکھئے مسیح کا ذاتی نام یسوع تھا۔یسوع کے نام کی کوئی پیشگوئی کتب سابقہ میں موجود نہیں البتہ مسیح نام صفاتی ہے اور اسی صفاتی نام کا پیشگویوں میں ذکر ہے۔

(۳): پیشگویوں میں ایک دن سے ایک ہزار سال ہم انسانوں کا مراد ہوتا ہے۔**ان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون** (47:22) اللہ کے ہاں ایک دن تمہارے شمار سے ہزار برس ہوتا ہے، ہندوؤں کے ہاں بھی برہما کا اور عام لوگوں کا سال گنتی کے لحاظ سے الگ الگ میعاد کا ہوتا ہے۔

(۴): پیشگویوں کی تعبیر بالکل اسی طرح ہوتی ہے جیسے خواب کی تعبیر کی جاتی ہے۔وید کی تفسیر میں اسے رہسیہ یا راز کہا جاتا ہے۔

(۵): پیشگوئیوں میں مقامات اور ملکوں کے نام بھی صفاتی ہوتے ہیں مثلاً یروشلم سے مراد مکہ معظّمہ کا حرم پاک اور خود اسلام ہے۔دیکھو پولوس کا نامہ گلا تیون باب ۴ آیت ۲۵ اور حجی نبی کی کتاب باب ۲ آیت ۹ اسی طرح وید بھی ایودھیا (نا قابل فتح) ہے مراد اجودھیا ہندوستان کا شہر نہیں بلکہ مکہ معظّمہ ہے جہاں جنگ منع وحرام ہے ورنہ یہ اجودھیا تو ہمیشہ مفتوح ہی رہا۔

(۶): اگر کسی الہامی کتاب کی پیشگوئی ایک ہی ہستی کے متعلق ذو جہتین ہوگی تو اس کی ایک ہی جہت قابل قبول ہوگی چونکہ یہ کتابیں مخالفین اسلام کے ہاتھوں میں رہی ہیں۔اس لئے ممکن ہے کہ انہوں نے اس پیشگوئی کو مبہم بنانے کے لئے کوئی عبارت کم وبیش کردی نیز یہ امر خود کتاب کی صداقت کے خلاف ہے کہ وہ ایک ہی ہستی کے متعلق دو متضاد خیال رکھتی ہو۔

(۷): کسی پیشگوئی کا کوئی حصہ جو عقل سلیم اور علم صحیح کے خلاف ہوگا وہ قابلِ حجت نہ سمجھا جائے گا۔

(۸): پیشگوئیوں کا وہ حصہ جو افسانہ کا رنگ لئے ہوگا اس کو صرف واقعات کی تعبیر کے مطابق قبول کیا جائے گا۔

(۹): کسی نبی کے متعلق دوبارہ دنیا میں مبعوث ہونے کی پیشگوئی سے مراد اسی نبی کی صفات اور خُو پر کسی دوسرے نبی کا مبعوث ہونا ہے۔

لوقا ۱:۱۷ میں مسیح نے ایلیاس کے دوبارہ آنے کی تشریح اسی طرح کی ہے اور جناب کرشن فرماتے ہیں ہم کسی اور شکل میں حسب ضرورت اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں (گنیا ادھیا ۴ شاوک ۷)

پارسی مذہب کی کتب میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں

''ان کی مثال ایسی ہے جیسے اس شخص کی مثال جس نے آگ جلائی پھر جب اس آگ نے جو کچھ اس کے ارد گرد تھا روشن کردیا اللہ نے ان کے نور کو سلب کرلیا اور ان کو سخت تاریکی میں نابینا چھوڑ دیا''۔(البقرہ ۲:۱۷)

زرتشتی مذہب جسے عوام پارسی مذہب کے نام سے جانتے ہیں۔ایران کا قدیم مذہب۔اسلام سے پیشتر ایران میں یہی مذہب رائج تھا۔اسی مذہب کو آتش پرست یا مجوسی دین بھی کہا جاتا ہے۔ان کی مذہبی کتب ژندی اور پہلوی دونوں زبانوں میں پائی جاتی ہے ان دونوں قسم کے رسم الخط کے علاوہ کچھ لٹریچر خط منخی میں بھی موجود ہے۔پہلوی رسم الخط موجودہ فارسی خط سے ملتا جلتا ہے لیکن ژندی اور منخی دونوں خط اس سے مختلف ہیں۔قدیم ایرانیوں کی مذہبی کتب میں دو دفتر اہم ہیں ایک دساتیر اور دوسرے کا وَستا یا ژنداوستا نام ہے۔ان کتابوں کے دو حصے ہیں۔خوردہ دساتیر اور کلاں دساتیر (بادساتیر وباساتیر) ۲۔خوردہ اوستا اور کلاں اوستا انہی دو کو ژند و مہا ژند بھی کہتے ہیں۔

ان کتابوں کی تعداد، زبان اور زمانہ، نزول ہر امر کے متعلق اس قدر اختلافات ہیں کہ کوئی امر قطعی طور پر معلوم نہیں ہوسکتا۔ حضرت زرتشت جن کی طرف ان کتابوں کا اکثر حصہ منسوب ہے اس نام کے صحیح تلفظ کے متعلق گیارہ مختلف رائے پائی جاتی ہیں اس نام کے معنوں میں بیسیوں شبہات ہیں ۔ اسی طرح ان کی جائے پیدائش اور وطن کے متعلق قطعیت کے ساتھ کوئی رائے معلوم نہیں ہوسکتی ۔ (دیکھو گاتھا سرودہاء زرتشت مطبوعہ ایرانی انجمن زرتشتیان بمبئی 1927ء کا دیباچہ) انہی بیشمار اختلافات آرا کی وجہ سے بعض علماء محققین نے حضرت زرتشت کا وجود محض خیالی اور وہمی قرار دیا ہے۔

زرتشتیوں کا دعویٰ ہے کہ ان کا مذہب نہایت قدیم ہے لیکن مستشرقین اور علماء محققین نے ان کے اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا بلکہ تاریخی شواہد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس مذہب میں مصری اور یہودی روایات کا بہت سا حصہ موجود ہے اور یونانی فسانوں کا بھی اس میں کافی مواد پایا جاتا ہے ۔ اس مذہب کی اشاعت قدیم سے ایران میں ہی محدود رہی ہے اگرچہ دساتیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ شنکر کاس اور ویاس جی دو ہندوستان کے بزرگ ان سے بحث کرکے قائل ہوئے اور ہندوستان میں اس مذہب کو انہوں نے رواج دیا۔ (دیکھو دساتیر نامہ ساسان) اسی طرح گوتم بدھ کا ان کے ساتھ مباحثہ کر کے شکست کھا جانے کا ذکر ژنداوستا فروردین یشت میں موجود ہے۔ ان حوالجات کی بنا پر یہ استدلال کرنا کہ ویدک دھرم کبھی ایران میں پھیل گیا تھا یا ایرانی مذہب ہندوستانی میں شائع ہوا تھا غلط ہے۔ ان دونوں باتوں کا تاریخی ثبوت قطعاً نہیں ملتا اس قسم کی باتیں صرف یہ ثابت کرتی ہیں کہ ان دونوں قوموں کے کانوں میں ایک دوسرے کے مذہب کی بھنک پڑ چکی تھی ۔ زرتشتی اور ویدک مذہب چونکہ دونوں تبلیغی مذہب نہ تھے اس لئے اپنے اپنے ملک میں مقید و محدود رہے۔

زرتشتی اپنے آپ کو موحد کہتے ہیں لیکن دوسرے لوگ ان کو دو خداؤں کے ماننے والے کہتے ہیں ۔ ان کے خدا کا نام اہورمزد ہے۔ اہور کے معنی مالک اور مزد کے معنی دانا ہیں یعنی دانا مالک۔

زرتشتی تعلیمات کا تعلق غیر مذاہب سے

جناب زرتشت کے کلام کا سب سے پرانا حصہ گاتھائیں کہلاتی ہیں ۔ ویدوں میں بھی گاتھاؤں کا ذکر آتا ہے (دیکھو، اتھر وید کانڈ ۱۵ سوکت ٦ منتر ۱۲) لیکن زرتشتی کتابوں میں ہندوؤں کی وید وغیرہ کتب کا کوئی ذکر نہیں اس سے ظاہر ہے کہ گاتھائیں ویدوں سے پہلے کی ہیں ۔ اسی طرح اتھر وید میں ''پرانم یجشا سہ'' یجش پران کے ساتھ اتھر وید کانڈ ۱۱ سوکت ۷ منتر ۲۴ میں آتا ہے جو دراصل یجش ہاپرانم'' یعنی یجش ہاپران'' ہے یجش ہا پارسیوں کی کتاب ژنداوستا کا ایک حصہ ہے ورنہ ویدک دھرم کے عقیدہ کے لحاظ سے وید سے پہلے پران نہیں بلکہ وید پران کے بعد ہیں لیکن پرانا یجش ہا ژنداوستا میں موجود ہے۔

زرتشتی مذہب کی تعلیم

اس کا ایک حصہ بائبل اور قرآن شریف سے بھی موافقت رکھتا ہے مثلاً

(۱): تخلیق کائنات ٦ ادوار (زمانہ) میں ہوئی اور ہورمزد نے ترتیب و آسمان۔ پانی، زمین، نباتات حیوانات اور آخر پر انسان کو پیدا کیا۔

(۲): تمام نسلِ انسانی ایک ہی جوڑے سے پیدا ہوئی جن کا نام مشیہ اور مشیانا (نر اور ناری) تھا۔ مشیہ کے معنی مرد کے ہیں۔

(۳): طوفان نوح کا ذکر اس رنگ میں ہے کہ خدا نے یم (نوح) کو کہا ایک برفانی طوفان آنے والا ہے جس میں تمام بدکار لوگ تباہ و برباد ہوجائیں گے ۔ اس لئے تو ایک تہہ خانہ بنا جس میں تمام نباتات جانوروں اور انسانوں کا جوڑا جوڑا داخل کر چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سوائے اس تہہ خانہ کے مکینوں کے تمام مخلوقِ جہاں برفانی طوفان سے تباہ ہوگئی۔

(۴): نوح کی بجائے یم سب سے پہلا شارع سمجھا گیا ہے۔ مگر اس نے نبوت کی تبلیغ سے انکار کردیا۔ اس لئے زرتشت سب سے پہلا شارع نبی ہوا۔ (وندیداد فرگرو)

افغان اور کشمیری

الحاج خواجہ نذیر احمد

دس مغربی مصنفین نے گم شدہ قبائل کے بارے میں کوشش کی ہے کہ فلسطین سے قیدِ بابل تک اُن کی نقل وحرکت کا سراغ لگایا جائے۔ اس ضمن میں وہ کامیاب نہیں ہوئے کیونکہ اُنھوں نے صرف پرانے عہد نامے کوملحوظِ نظر رکھا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ وہ پرانے عہد نامے کو اپنا نقطۂ آغاز گردانتے اُنہوں نے اپنے نظریات کو اُسی پر قائم کیا اور اس طرح اس خیال کے مطابق اپنی کوشش ترتیب دی کہ ساری حقیقت وہی ہے جو پرانے عہد نامے میں دی گئی ہے۔ اُنہوں نے ایسے حقائق کو نظر انداز اور یکسر رد کیا جو بائبل کے مندرجات سے موافقت نہیں رکھتے تھے۔ یوں گمشدہ دس قبائل کی سرگزشت ایک اسرار بنی رہی۔ تاہم جب کبھی کوئی سیاح افغانستان یا کشمیر سے گزرا اُسے حقیقت حال کا علم ہوا۔ مگر اُس نے ایسی حقیقت حال کے تذکرے کو صرف سرسری طور پر بیان کرنا ہی مناسب سمجھا۔ اور تفصیل میں جانے سے گریز کیا۔

افغانیوں کا یہ کہنا کہ وہ بنی اسرائیل کی اولاد ہیں۔ محض ایک روایت نہیں ہے۔ قدیم یادگاریں، پرانے کتبہ جات اور تاریخی آثار اُن کے مخطوطات میں برابر موجود ہیں اور اُن کے پاس محفوظ ہیں۔ ان تاریخی مخطوطات میں افغان قبائل کا شجرۂ نسب بڑی تفصیل کے ساتھ دیا گیا ہے۔ جو زمانی اعتبار سے بے حد پرانا مخطوطہ ہے اُس کا نام ہے ''روضۃ الالباب فی تواریخ الاکابر والانساب'' یعنی جسے اہلِ دانش کا گلشن و تاریخ اکابرین اور اُن کا شجرۂ نسب کہا گیا ہے۔ یہ مخطوطہ ابو سلیمان داؤد بن ابوالفضل محمد البنا کیتی کا لکھا ہوا ہے۔ جسے اُس نے 717ھ میں قلمبند کیا تھا۔ اپنے تعارف میں مصنف کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے افغانوں کے اجداد کو ان گنت صعوبتوں کا سامنا ہوا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بے دخل کیا گیا اور اُن کا قتل عام کیا گیا۔ یروشلم کو کئی بار تاخت و تاراج کیا گیا اور اُن کے اجداد (اسرائیلیوں) کو قیدی بنایا گیا۔ اس مخطوطے کے پہلے باب میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی طویل تاریخ دی گئی ہے اور دوسرے باب میں افغان قبائل کے شجرۂ نسب کو شاہِ طالوت تک بیان کیا گیا ہے۔ شاہِ طالوت وہی ہے جسے سالوس بھی کہا گیا ہے۔

ماسطوفی اپنے مخطوطے ''مجمع الانساب'' میں افغانوں کے قبائلی سربراہ قیس کا نسب نامہ بیان کرتا ہے جو 31 درجوں تک شاہ طالوت تک پہنچتا ہے اور 45 پشتوں کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے بعد حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

بختاور خان اپنی معروف عالمی تاریخ ''مراۃ العالم'' میں افغانوں کے سفر کا ذکر کرتا ہے جو اُنہوں نے ارض مقدس سے غور، غزنی، کابل اور افغانستان میں دوسرے مقامات تک کیا تھا۔ اسی طرح حافظ رحمت بن شاہ عالم اپنی تصنیف ''خلاصۃ الانساب'' اور فرید الدین احمد اپنی تصنیف ''رسالہ انساب الافاغنۃ'' میں افغانوں اور اُن کے نسب ناموں کا ذکر کرتے ہیں۔ دونوں اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ افغانوں کا شجرۂ نسب شاہِ طالوت سے ہوتے ہوئے اسرائیل تک جاتا ہے اور وہ بنی اسرائیل کی اولاد ہیں۔

اس ضمن میں دو معروف تاریخی کتابوں کا ذکر باقی ہے۔

اُن میں سے ایک کتاب کا نام ''تاریخ افاغنۃ'' ہے جس کے مصنف نعمت اللہ ہیں۔ جسے برنارڈ ڈارک نے 1829ء میں ترجمہ کیا۔ دوسری کتاب کا نام ''تاریخ حافظ رحمت خانی'' ہے جو حافظ محمد صدیق کی لکھی ہوئی ہے اور سال تصنیف 1184ھ ہے۔ یہ دونوں کتابیں ''کوجو'' کی تاریخ پر مبنی ہیں جو ایک معروف تاریخ دان اور نسب ناموں کا علم رکھنے والا گزرا ہے۔ یہ کتابیں افغانوں

کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں ہیں اور اُن کے متعدد دفعہ سفر کرنے کا تذکرہ کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ وہ کون تھے؟ یہ کتابیں خاص طور پر یوسف زئی افغانوں کا ذکر کرتی ہیں اور اس قبیلے کے کابل، باجوڑ، سوات، پشاور اور دوسری جگہوں میں آباد ہونے کا تذکرہ کرتی ہیں۔ یہ دونوں مصنف افغانوں کا حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہونا بتاتی ہیں اور اُن کے نسب نامے کو شاہِ طالوت سے جوڑتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچتی ہیں کہ افغان بنی اسرائیل میں سے ہیں اور اسرائیل کی اولاد ہیں۔

زمانہ حال کے دو مصنف سید جلال الدین افغانی اور سید عبد الجبار شاہ سابق والی سوات (''تاریخ افاغنہ'' اور ''منعمین بنی اسرائیل مخطوطہ'') خاص طور قابل ذکر ہیں۔ دونوں مختلف افغان قبائل کا شجرۂ نسب بتاتے ہیں اور ان نسب ناموں کا تعلق شاہ طالوت کے ساتھ جوڑتے ہیں اور اُس سے اوپر جاتے ہیں۔ وہ اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ افغان، اسرائیل کے دس گمشدہ قبائل میں سے ہیں۔

اگر مغربی سیاحوں اور مصنفین کی تحریروں کو ملحوظ رکھا جائے تو یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہنری ونسٹارٹ پہلا اہم مصنف ہے۔ اپنے خط میں جو ''انڈین ریسرچز'' میں شائع ہوا اُس نے افغانوں کا اسرائیلی ہونا بتایا ہے اور لکھا ہے کہ کن حالات میں وہ مسلمان ہوئے تھے۔ اُس کا کہنا ہے کہ افغانوں کا دعویٰ کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ ہر لحاظ سے درست ہے۔ (انڈین ریسرچز 1788ء جلد 2 ص 69)

سر الیگزنڈر برونس نے اپنی کتاب ''بخارا کا سفر'' میں جو 1835ء میں شائع ہوئی افغانوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''افغان اپنے آپ کو اولادِ اسرائیل سمجھتے ہیں۔ مگر خود کو یہودی کہلانا پسند نہیں کرتے۔ اُن کا کہنا ہے کہ یروشلم کی تاراج کے بعد بخت نصر نے اُن کو یمن کے قریب غور میں آباد کیا۔ اُن کو اپنے سربراہ افغانہ کے نام پر افغان کہا گیا۔ وہ تب تک اسرائیلی رہے تاوقتیکہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے پہلی ہجری میں اُن کو کافروں کے خلاف جنگ میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ اُن کی خدمات کے عوض میں اُن کے سردار قیسی کو عبد الرشید کا لقب دیا گیا۔ جس کا مطلب ہے کہ وہ پُر قوت کا بیٹا ہے۔ اُسے یہ بھی کہا گیا کہ وہ اپنے آپ کو بوطان کہے کہ وہ اپنے قبیلے کا مستول ہے (بوطان کا عربی میں معنی مستول ہے) جس پر اُس کی نسلیں قائم رہیں گی۔ اُس زمانے سے افغانوں کو کبھی کبھی پوتان (پٹھان) بھی کہا جاتا ہے۔ جس نام سے اہلِ ہند اُن کو پکارتے ہیں اور اُن سے آشنا ہیں۔

افغانوں کی روایات اور تاریخ کو جاننے کے بعد کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی کہ اُن پر اعتماد نہ کیا جائے۔ گو اُن کی بیان کی ہوئی تاریخیں پرانے عہد نامے کے مطابق نہیں ہیں۔ افغان یہودیوں سے مشابہ ہیں۔ اور چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی بیوہ سے شادی کرتا ہے تاہم وہ یہودیوں کے بارے میں متعصب بھی ہیں۔ اور کسی طرح بھی اپنے آپ کو یہودیوں کی اولاد میں سے نہیں گردانتے''۔ (بخارا کے سفر، جلد 2 ص ص 139-141)

سن 1837ء میں سر الیگزنڈر برونس کو ایک بار پھر دربار کابل میں برطانوی سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ وہ ایک عرصہ امیر دوست محمد خان کا مہمان رہا۔ اُس نے امیر دوست محمد خان سے افغانوں کے بنی اسرائیل ہونے کے بارے میں استفسار کیا۔ امیر نے کہا کہ افغانوں کو اس بارے میں کوئی شک نہ تھا۔ گو وہ یہودی ہونے کو بُرا سمجھتے تھے۔ جس کے پیچھے موروثی نفرت کارفرما تھی۔ افغان اپنے آپ کو صرف روایات کے باعث ایسا نہیں سمجھتے بلکہ اُس قدیم دستاویز کے باعث جو اُن کے پاس محفوظ ہے، ایسا سمجھتے ہیں اور جس کو ''مجوع انساب'' کہا جاتا ہے''۔

جی، ٹی، وینی اپنی کتاب ''سیاحتِ کشمیر، لداخ اور اسکردو'' میں لیفٹیننٹ وڈ کی زبانی بیان کرتا ہے کہ درۂ خیبر کے عیسوخیل، ماضی میں اپنے قبیلے کی عظمت کا ذکر کرتے ہیں۔ وینی بتاتا ہے کہ عیسو اور زکا (جو عیسا کرہی کا دوسرا

نام ہے) یہودی اسماء ہیں ۔ وہ اسلامی عہد سے قبل بھی یہاں آباد تھے ۔ وینی وضاحت کرتا ہے کہ یہودیوں کے عین مطابق اگر کسی قبیلے کے نام سے پہلے 'مہا' استعمال کیا جائے اُس سے اُن کے شہر کا نام بن جائے گا۔ افغان اس سلسلے میں اپنے شہروں کے ناموں کا ذکر کرتے ہیں ۔اس ضمن میں وہ 'مہازاکا' کا نام لیتے ہیں جو شمال مشرقی سرحد کے صوبے کا ایک گاؤں ہے۔(وینی: جلد 1 ص 128)

ڈاکٹر جوزف ولف ''بہت حیران ہوا جب اُس نے خیبر کے افغانوں اور یوسف زئی افغانوں کی یہودیوں کے ساتھ مشابہت دیکھی''۔(میرے سفر بخارا کی تفصیل 1843-1845 میں، ص 12)

ولیم مور کرافٹ نے 1819ء تا 1825ء کے درمیان ہندوستان سے ملحق ملکوں میں سفر کیا۔اس دوران وہ افغانستان بھی گیا۔ وہ لکھتا ہے کہ خیبری افغان لمبے قد کے ہیں اُن کے خدوخال خاص طور پر یہودیوں سے ملتے جلتے ہیں ۔ اُس نے ''پش کیوں'' میں پرانے عہد نامے کا ایک قدیم نسخہ بھی دیکھا جو عبرانی میں تھا (مور کرافٹ اور ٹرے بیک: ہندوستان کے ہمالیائی صوبے کے علاقوں ، لداخ اور کشمیر، پشاور، کابل، کندوز اور بخارا کے سفر کی تفصیل، ص ص 12-22)

جے بی فریزر نے اپنی کتاب ''ایران اور افغانستان کی تاریخ اور تفصیلی بیانات کے بارے میں'' جو 1843ء میں شائع ہوئی اس امر کا ذکر کیا ہے:

''(افغانی) اپنی روایات کے مطابق اپنے آپ کو یہودیوں میں سے سمجھتے ہیں ۔۔۔۔ وہ اپنے اصلی مذہب پر برابر قائم تھے جب تک کہ اُنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا''۔(ص 298)

جے پی فیریر نے ''تاریخ افاغنہ'' قلمبند کی اور اُسے 1858ء میں شائع کیا۔اس کتاب کا کیپٹن ڈبلیو، ایم جیسی نے ترجمہ کیا۔ مصنف یقین کرتا ہے کہ افغان دس گمشدہ قبائل میں سے ہیں۔اس ضمن میں اُس نے ایک اہم واقعہ کا ذکر کیا ہے:

''جب نادر شاہ ہندوستان کی فتح کے لئے پشاور پہنچا تو یوسف زئی قبیلے کے سربراہ نے نادر شاہ کو عبرانی میں لکھی ہوئی بائبل اور دوسرے نوادرات جو اُن کی قدیم عبادات میں اُن کے استعمال میں رہی تھیں پیش کیں ۔ یہ نوادرات اُن کے پاس محفوظ رہی تھیں ۔ ان نوادرات کو اُن یہودیوں نے فوراً شناخت کرلیا جو لشکر کے ساتھ تھے''۔

(جے پی فیریر: تاریخ افاغنہ'' ص 4)

جارج مور نے اپنی معروف تصنیف ''گمشدہ قبائل'' میں جو 1861ء میں شائع ہوئی متعدد حقائق کا ذکر کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ ان قبائل کا افغانوں اور کشمیریوں میں سراغ ملتا ہے۔اسرائیلیوں کی نقل وحرکت اور ان کی خصوصیات کا تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے جارج مور کا کہنا ہے:

''ہمیں اُن لوگوں کی زندگی میں اسرائیلی خدوخال بھی بخوبی دکھائی دیتے ہیں جو اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔اور جن کا کہنا ہے کہ وہ ان قبائل کی اولاد میں سے ہیں جو گمشدہ قبائل کہلاتی ہیں ۔ اُن کے قبیلوں اور علاقوں کا نام جو قدیم جغرافیے اور حالیہ جغرافیائی ماحول میں برابر برقرار ہے اس امر کی تصدیق کرتا ہے۔علاوہ ازیں ہمیں اُس راستے کا علم بھی ہے جس پر ان قبائل نے مدائن سے افغانستان کی جانب سفر کیا تھا اور راستے میں جہاں جہاں وہ ٹھہرے تھے اُن مقامات کو متعدد قبیلوں کے نام دیئے گئے تھے''۔

جارج مور مزید لکھتا ہے:

''سر ولیم جونز، سر جان مالکم اور چمبر لین (جو لاپتہ ہوا) باقاعدہ تحقیق کے بعد اس امر پر متفق تھے کہ دس قبائل نے افغانستان سے ہندوستان کی سمت نقل مکانی کی اور تبت اور کشمیر میں پہنچے''۔

(مور: گم شدہ قبائل ص 151)

جارج مور نے صرف تین معروف ناموں کا ذکر کیا ہے۔تاہم اس سلسلے میں مزید مصنفین کا استفادے کی خاطر بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے۔جن میں جنرل سر جارج میکمن ، کرنل جی بی میلیسن ، کرنل فیلسن ، جارج بیل، ای بالفور،

سرہنری یول اور سرجارج روز کے نام شامل ہیں ۔ (جنرل سرجارج میکمن :افغانستان ، دارا سے امان اللہ تک ،ص 215۔ کرنل جی بی میلیسن : تاریخ افغانستان، ابتدائی عہد سے 1878ء کی جنگ تک،ص 39۔ کرنل فیلسن : تاریخ افغانستان ،ص 49۔ جارج بیل :''افغانستان کے قبیلے'' ص 15۔ای بالفور: ''انسائیکلو پیڈیا آف انڈیا'' آرٹیکل 'افغانستان'۔ سرجارج روز :''افغان ، دس قبائل اور مشرق کے بادشاہ،ص 26)۔ یہ مصنفین الگ الگ ایک ہی نتیجے پر پہنچے تھے ۔تاہم اس ضمن میں دیگر مصنفین کا نام بھی شامل کیا جاسکتا ہے ۔ میجر ایچ ڈبلیو بیلو جو سیاسی مشن پر قندھار گیا تھا۔اور جس نے اپنے تاثرات ''جرنل آف اے مشن ٹو قندھار 1857-1858ء'' میں قلمبند کئے تھے ۔اُس نے 1879ء میں جو تصنیف شائع کی جس کا عنوان ہے ''افغانستان اور افغان'' ۔1880ء میں اُسے ایک دوسرے مشن پر کابل بھیجا گیا اور اُسی برس میں اُس نے یونائیٹڈ سروسز انسٹیٹیوٹ، شملہ میں دو لیکچر دیئے جن کے عنوان تھے ''ایک نیا افغان مسئلہ'' یا'' کیا افغان اسرائیلی ہیں؟'' اور ''افغان کون ہیں؟'' اس نے بعدازاں ایک اور کتاب شائع کی جس کا نام ''افغانستان کی نسلیں'' تھا۔اپنے آخری دنوں میں اُس نے تمام حقائق کو ایک کتاب میں جمع کیا جس کا نام تھا ''افغانستان کی نسلی تاریخ کا جائزہ'' جو 1891ء میں ووکنگ (انگلستان) سے شائع ہوئی۔اس کتاب میں بیلو قلعہ یہودی کا ذکر کرتا ہے (ص 34) جس سے اس علاقے کی مشرقی سرحد موسوم تھی ۔ وہ ''دہشت یہودی'' کا ذکر بھی کرتا ہے جو مردان (صوبہ سرحد، پاکستان) کے ضلع میں ایک مقامی نام ہے (ص 4)۔وہ ایسے افغان قبیلے کا ذکر بھی کرتا ہے جو گُشن کہلاتا ہے (ص 81) اور کئی ایک ایسے مقامات کا تذکرہ بھی کرتا ہے جو لفظ گُشن پر ختم ہوتے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے:

''افغانوں کا یعقوب اور عیسو، موسیٰ اور خروج کا بیان اور اسرائیلیوں اور املا کیوں سے جنگ اور فلسطین کی فتح، کشتی نوح اور میثاق اور سالوس (طالوت) کا مملکت کے سربراہ ہونے کے لئے منتخب ہونا، اور دیگر حالات اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ اُن کا بیان بائبل کے مطابق ہے ۔ اور صاف بتاتے ہیں کہ افغان پرانے عہد نامے سے بخوبی واقف ہیں۔ اور ہر چند کہ وہاں عیسائی موجود تھے ۔افغان باقاعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتب کا مطالعہ کرتے رہے تھے جب تک پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور نہیں ہوا تھا۔'' (بیلو: افغانستان کی نسلی تاریخ کا جائزہ، ص 191)

لاہور کے ایک انگریزی روزنامہ اخبار 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' کے 23 نومبر 1898ء کے شمارہ میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں افغانوں کے ناموں کا اسرائیلی اسماء سے موازنہ کیا گیا تھا اور دیگر خدوخال کو بھی موازنے میں شامل کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا تھا کہ افغان گم شدہ (اسرائیلی) قبائل کی اولاد میں سے ہیں۔

تھامس لیڈلی نے ''کلکتہ ریویو' میں ایک مضمون لکھ کر اپنے اس نقطۂ نظر کو بیان کیا:

''جب بھی یہ کہا جاتا ہے کہ افغان اپنے آپ کو نہ صرف بنی اسرائیل کہتے ہیں بلکہ اپنے یہودی (یہودیہ کے رہنے والے) ہونے کو رد کرتے ہیں تو یورپین ان حقائق کو ہمیشہ خلط ملط کرنے کے عادی ہیں۔حقیقت میں وہ اپنے آپ کو یہودی کہلانے سے نفرت کرتے ہیں۔تاہم وہ بنی اسرائیل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔''

یہ مضمون ''کلکتہ ریویو' میں جنوری 1898ء میں شائع ہوا۔ بعدازاں لیڈلی نے اپنے خیالات کا تفصیلی اظہار اپنی کتاب میں کیا جو دو جلدوں میں شائع ہوئی۔

مذکورہ امور کی وضاحت کرتے ہوئے لیڈلی لکھتا ہے:

''اسرائیلیوں کو جو دس قبائل پر مشتمل تھے عموماً اسرائیل کہا جاتا ہے کہ وہ یعقوب کے گھرانے سے اور یہودیہ کے اس قبیلے سے الگ ہو گئے تھے جس کو یہودیہ کے علاقے سے منسوب کیا گیا تھا۔اُن کی تاریخ جدا تھی۔ یہودیہ کے رہنے والوں کو یہودی کہا جاتا تھا اور اس اعتبار سے وہ بنی

اسرائیل سے الگ اور منفرد تھے اور ایسا فرق مشرق و مغرب میں یکساں طور پر کارفرما رہا ہے''۔

(کلکتہ ریویو: ''لیڈلی کے مقالات'' ص 7 جنوری 1898ء)

عہد حاضر کے مصنفین میں سے ڈاکٹر ایلفر ڈ ایڈر ہائیم کا کہنا ہے:

''جدید تحقیق نے ثابت کرتے ہوئے نسطوریوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور باوثوق شواہد کی روشنی میں بتایا ہے کہ افغان ہی دس گمشدہ قبائل کی اولاد میں سے ہیں۔'' (یسوع مسیح کی زندگی اور زمانہ ص 15)

سر ٹامس ہولڈچ کا کہنا ہے:

''ایک اہم قوم ایسی ہے (جس کے بارے میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے) جو اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتی ہے اور جس کا کہنا ہے کہ وہ کش اور حام کی نسل سے ہے۔ اس قوم نے شریعت موسوی کو بعض عجیب اضافوں کے ساتھ اپنے اخلاقی رسم و رواج میں سمو رکھا ہے اور اس قوم کے بعض افراد عید فسح کو مناتے ہیں اور یہودیوں سے روایتی عناد رکھتے ہیں۔ ان کے دعویٰ کو مسترد کرنا مشکل ہے کہ وہ بنی اسرائیل ہیں۔ یہ قوم افغانستان اور کشمیر میں بستی ہے۔'' (سر ایلفر ڈ ہولڈچ: گیٹس آف انڈیا ص 49)

افغانستان کی عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے:

''ان کی خواتین کے خدوخال خوب صورت ہیں اور یہودی عورتوں کے مشابہہ ہیں۔'' (انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا، ایڈیشن 14 مضمون 'افغانستان')

ان حقائق سے نمایاں ہوتا ہے کہ روایات، تاریخ، قدیم و جدید تحریری شواہد صرف اس حتمی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ افغان گم شدہ دس قبائل کی اولاد میں سے ہیں اور بنی اسرائیل ہیں۔

جو حقائق افغانوں کے بارے میں ہیں وہی حقائق اور شواہد اس امر کی تائید کرتے ہیں کہ کشمیری بھی اُن دس گمشدہ قبائل کی اولاد ہیں۔ جو افغانوں کے اجداد بھی ہیں۔ کشمیریوں کا بھی بنی اسرائیل ہونے کا دعویٰ ہے اور وہ اپنے آپ کو کاشر کہتے ہیں یہ عبرانی لفظ ہے جس کا مطلب 'پاکیزہ' ہے۔

بدقسمتی سے کشمیر کے تاریخی تذکرے کے لئے سوائے راج ترنگنی کے کوئی قدیم ہندو ماٰخذ دستیاب نہیں ہیں۔ اور جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے راج ترنگنی صرف راجاؤں کا ذکر کرتی ہے، لوگوں کا تذکرہ اس کا موضوع نہیں ہے۔ سب سے پہلا تاریخی تذکرہ ملا نادری جس کی ''تاریخ کشمیر'' سلطان سکندر (1378-1416) کے عہد سے شروع ہوتی ہے اور سلطان زین العابدین کے عہد پر ختم ہوتی ہے اور اس کا ذکر بھی ملا نادری نے کیا ہے کہ سلطان زین العابدین کے عہد کی ابتدا ہوچکی تھی جب اس کی تاریخ اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔ ملا نادری کے بعد دوسرا تاریخ نویس ملا احمد ہے۔ اس نے ''وقائع کشمیر'' لکھی۔ یہ تاریخ ملا نادری سے استفادہ نہیں کرتی۔ لیکن ملا نادری کی تاریخ کے بعد آنے والے واقعات کے ساتھ اپنا تسلسل قائم کرتی ہے۔ تاریخ کی ان دونوں کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ کشمیر کے رہنے والے اسرائیل کی اولاد ہیں۔ ان تاریخوں کے بعد ''حشمتِ کشمیر'' کا تاریخی تذکرہ آتا ہے جسے عبدالقادر بن قاضی القضاۃ واصل علی خان نے لکھا ہے۔ یہ تاریخ 1820ء میں لکھی گئی اور اس میں مرقوم ہے کہ اہل کشمیر بنی اسرائیل ہیں اور کشمیر کے باشندے بھی اسرائیل کی اولاد ہیں (مخطوطہ 42 رائل ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال حاشیہ 68ب) اور مزید کہا گیا ہے کہ وہ ارضِ مقدس سے آئے تھے (ایضاً حاشیہ 77ب) یہ تاریخ بڑی تفصیل سے اس کا ذکر کرتی ہے۔ ملا محمد خلیل مرجان پوری (کشمیر) کی ''تاریخ خلیل'' 1866ء میں لکھی گئی۔ اہلِ کشمیر کی ابتدا کے بارے میں لکھتے ہوئے وہ راجہ وشکولا کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتا ہے:

''اس راجہ کے عہد میں مسلمان یہاں وارد ہوئے اور یہاں بس گئے وہ کسی دور دراز کے ملک سے آئے تھے'' (مخطوطہ 23)

☆☆☆☆

درود و سلام

قاری غلام رسول

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ خداوندی کا ترجمہ ہے: ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں''

''اے ایمان والو تم بھی آپ صلعم پر درود اور خوب سلام بھیجو''۔

(الاحزاب 57)

اللہ تعالیٰ کے درود سے مراد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور آپ صلعم کے مقاصدِ بعثت میں آپ صلعم کی تائید و نصرت ہے اور ملائکہ اس کام کے آلہ کار ہیں اور اہل ایمان کا درود و سلام دینِ حق کی ترویج و اشاعت ارو اقامتِ دین اور غلبہ دین کے لئے مسلسل جدو جہد کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کام کے لئے دعا کرتے رہنا ہے۔ درود شریف دعا ہے اور دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن لوگوں میں سے سب سے زیادہ میرے نزدیک وہ شخص ہوگا جو ان میں سے مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجنے والا ہوگا'' (ترمذی شریف)

درود شریف قربِ الٰہی کا ذریعہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت و محبت کا سبب ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دُعا زمین و آسمان کے درمیان ٹھہر جاتی ہے جب تک تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیج لو۔ (ترمذی شریف)

اس لئے نمازوں میں درود و سلام پڑھا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو درود سکھایا ہے اس میں آلِ محمد صلعم کو بھی شامل کیا ہے۔ لہذا درود شریف میں آل محمد صلعم کو شامل کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ آلِ محمد ہی وہ مبارک و برگزیدہ ہستیاں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے آپ صلعم کے مقاصدِ بعثت اور تبلیغ دین میں مسلسل جدو جہد کی حتیٰ کہ نواسہ رسول سید الشھداء حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب نے اسی مقصد کے لئے میدان کربلا میں اپنی جانیں قربان کر دیں اور دین حق کو زندہ کر دیا ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

تمام اولیاء کرام، آئمہ دین اور بزرگان دین نے درود شریف کو قرب الٰہی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فیض کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے اور بڑے بڑے آئمہ دین نے درود شریف کے موضوع پر کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہؒ فرماتے ہیں: ''میں نے جو کچھ پایا ہے محبت رسول صلعم اور اتباع رسول صلعم اور درود شریف سے پایا ہے۔ درود شریف ایک دعا ہے اور دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ بھی ہے۔''

مزید آپؒ فرماتے ہیں: ''قبولیت دعا کے تین ہی ذریعے ہیں اوّل اتباع رسولؐ، دوم درود شریف، سوم موہبت الٰہی۔

(تفسیر مسیح موعود علیہ السلام جلد سوم ص 730)

حضرت امام الزماں فرماتے ہیں: ''مجھے الہام ہوا صلی اللہ علیہ وسلم یعنی تو درود بھیج محمد و آل محمد پر (صلی اللہ علیہ وسلم)''

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب مراتب اور تفضلات اور عنایات ہمارے سید و مولےٰ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہیں اور آپؐ سے محبت کرنے کا صلہ ہیں۔ اس الہام میں جو آل رسول صلعم پر درود بھیجنے کا حکم ہے سو اس میں بھی یہی راز ہے کہ افاضہ انوارِ الٰہی میں محبت اہل بیت کو بھی نہایت عظیم دخل ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں داخل ہوتا ہے وہ اہل بیت اطہار کی وراثت پاتا ہے اور تمام علوم و معارف میں اُن کا وارث ٹھہرتا ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص 205 حاشیہ در حاشیہ)

ایک اور مقام پر حضرت اقدسؒ فرماتے ہیں: ''ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطر ہوگیا۔ اسی رات

خواب میں دیکھا کہ آبِ زلال کی شکل پر نور کی مشکیں اس عاجز کے مکان میں لئے آتے ہیں اور ایک نے اُن میں سے کہا کہ یہ وہی برکات ہیں جو تو نے محمد صلعم کی طرف بھیجی تھیں یعنی درود شریف (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

(براہین احمدیہ حصہ چہارم ص502 حاشیہ)

رسول اللہ صلعم کا وسیلہ اور درود شریف

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ درود شریف پڑھنے میں یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں ایک زمانہ تک مجھے بہت استغراق رہا کیونکہ میرا یقین تھا کہ خدا تعالیٰ کی راہیں نہایت دقیق راہیں ہیں وہ بجز وسیلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مل نہیں سکتیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ بھی فرماتا ہے: ''اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو'' تب ایک مدت کے بعد کشفی حالت میں میں نے دیکھا کہ دو سقے یعنی ماشکی آئے اور ایک اندرونی راستے سے اور ایک بیرونی راہ سے میرے گھر میں داخل ہوئے اور اُن کے کاندھوں پر نور کی مشکیں ہیں اور کہتے ہیں ''ھذا بما صلیت علی محمد یعنی یہ برکات اُس درود شریف کی ہیں جو تو نے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجا تھا''۔ (حقیقۃ الوحی ص128 حاشیہ)

نماز میں درود وسلام اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نماز کے تشہد میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھا جاتا ہے اس سلسلہ میں حضرت مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں ''السلام علیک ایھا النبی ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ''یعنی اے نبی تجھ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں''۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پکارا گیا ہے جس طرح زندہ انسان کو پکارا جاتا ہے۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اُس دوسرے عالم میں زندہ ہیں لیکن آپ صلعم اس عالم میں بھی بوجہ اس حق اور صداقت کے زندہ ہیں جو آپ صلعم نے دنیا میں قائم کیا تو آپ صلعم کو یہ دونوں زندگیاں حاصل ہیں ایک زندگی اس دوسرے عالم میں جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور ایک زندگی اس عالم میں جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے (لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودائمی زندگیاں حاصل ہیں) (خطبات جلد22 ص300)

قرآن کریم میں درود اور سلام دونوں کا حکم ہے۔ اسی پر عمل کرتے ہوئے نماز میں درودِ ابراہیمی بھی پڑھا جاتا ہے اور سلام بھی لیکن درود اور سلام جمع کر کے بھی پڑھا جا سکتا ہے جیسے الصلوۃ والسلام علیک ایھا النبی اور الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں: ''سبحان اللہ مااعظم شانک یا رسول اللہ یعنی سبحان اللہ اے اللہ کے رسول صلعم آپ صلعم کی شان کتنی بلند ہے''۔

(آئینہ کمالات اسلام ص164)

درثمین حصہ فارسی کے نعتیہ کلام میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ بار بار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا رسول اللہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ بعض لوگ یا رسول اللہ کہنے کے مسئلہ پر تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں جہانوں میں حیاتِ دائمی حاصل ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں ''حقیقت یہی ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی فضیلت ہے جو کسی نبی میں نہیں ہے۔ میں اس کو عزیز رکھتا ہوں کہ جو شخص آپ صلعم کی حیات بیان نہیں کرتا وہ میرے نزدیک کافر ہے'' (الحکم جلد 7 نمبر 69) (بحوالہ تفسیر مسیح موعود جلد دوم ص272)

قرآن کریم میں بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلعم کے خالق و مالک نے بار بار یا رسول اللہ اور یا نبی کہہ کر پکارا ہے اور کبھی یا ایھا المدثر اور یا ایھا المزمل کہا ہے۔ جو لوگ عقل کو مقدم رکھ کر قال اللہ اور قال الرسول پر تنقید کرتے ہیں اُن کا انجام اچھا نہیں۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں ''میرا مذہب، فرقہ ضالہ نیچریہ کی طرح یہ نہیں کہ میں عقل کو مقدم رکھ کر قال اللہ اور قال الرسول پر نکتہ چینی کروں ایسے نکتہ چینی کرنے والوں کو ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں بلکہ میں جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم کو پہنچایا ہے اس سب پر ایمان لاتا ہوں'' (الحق لدھیانہ ص28)

چونکہ ہمارے سید و مولیٰ خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہانوں میں حیات دائمی کے ساتھ زندہ ہیں۔ اسی لئے تمام اولیاء اللہ اور بزرگان دین نے آپ صلعم کو یا رسول اللہ کہہ کر پکارا ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں:

ترجمہ: ''اے اللہ کے رسول صلعم آپ خدا تعالیٰ کے فیضِ علم و عرفان کے چشمہ ہیں اور مخلوقِ خدا پیاسی آپ صلعم کی طرف دوڑی چلی آ رہی ہے۔''

امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور قصیدہ بردہ شریف میں بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں:

ترجمہ: ''اے اللہ کے رسول صلعم آپ صلعم سب سے اکرم ہیں مصائب و حادثات کے وقت آپ صلعم کی پناہ تلاش کی جاتی ہے۔''

حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں: ''اے اللہ کے رسول صلعم میں آپ صلعم پر قربان ہو جاؤں'' (تصدیق براہین ص41)

حضرت مسیح موعودؑ بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں:

''یارسول اللہ فدائے جمالِ روئے توام

خدا کردم گرجاں و ہندم صد ہزار (درثمین)

سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور صوفی بزرگ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں: ترجمہ: ''اے گناہ گاروں کی شفاعت کرنے والے میں آپ صلعم کے پاس دہری پیٹھ کے ساتھ گناہ کا بوجھ لایا ہوں۔

ایک دوسرے مقام پر مولانا جامی عرض کرتے ہیں: ترجمہ: ''اے محمد صلعم آپ صلعم روحانی بادشاہ ہیں میری طرف مہربانی کی نظر فرمائیں''۔

قرآن کریم میں مومنوں کے ساتھ اسی روحانی تعلق کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ اُن کے قریب ہیں۔'' (سورۃ الاحزاب)

ہم اپنے کلام کو علامہ اقبال کے ان اشعار پر ختم کرتے ہیں:

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے

اُمت پہ تیری عجب وقت آن پڑا ہے

وہ دین جو بڑی شان سے نکلا تھا عرب سے

پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

بقیہ: **ویلنٹائن ڈے کا تاریخی پس منظر**

(۱۰) یورپ کے بعد یہ تہوار امریکہ پہنچا تو وہاں کے تاجروں نے اسے دولت کمانے کا ذریعہ بنالیا۔ ہزاروں ڈالر مالیت کے ویلنٹائن کارڈ جاری ہوئے اور کروڑوں ڈالر کمائے گئے۔ پاکستان میں بھی چند سالوں کے دوران ان ہی ملٹی نیشنل کمپنیوں نے ویلنٹائن ڈے کی شہرت کو بلندی پر پہنچانے میں کردار ادا کیا اور اپنی مصنوعات سے خوب دولت کمائی۔ اس کے علاوہ الیکٹرونک میڈیا بھی بھرپور طریقہ سے اس کی پبلسٹی کرتا ہے۔ سینٹ ویلنٹائن ڈے کے بارے میں فضول دلائل دیئے جاتے ہیں کہ اس دن کو منانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن یورپ کے بعض ملکوں نے اس پر پابندی عائد کی تھی۔ عیسائی قوم مسلمانوں کا کوئی تہوار اس شان و شوکت سے نہیں مناتی۔ ہندوؤں نے تو ہندوستان میں ویلنٹائن ڈے کو اپنی ثقافت پر خطرناک حملہ قرار دیا۔ کوئی غیرت مند مسلمان اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی غیر مرد اس کی بیوی، بہن یا بیٹی کو پیغام محبت بھیجے۔ اس سے اسلامی ریاست کی اخلاقی تباہی و بربادی ہوگی۔ پادری سینٹ ویلنٹائن کی بے معنی اور غیر اخلاقی محبت کا پرچار کرنے والی تہذیب اس تہذیبی روایت کے لئے پاکستان میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ تاریخ سینٹ ویلنٹائن کو محبت کرنے والا بزرگ کہے یا بدکردار آدمی۔ یہ بحث تو چلتی رہے گی مگر یہ تہوار ہمارے معاشرہ کے منہ پر طمانچہ ہے۔ یہ دن محبت کا نہیں بلکہ بے حیائی کو رواج دینے کا دن ہے۔ جس دن نوجوان نسل اپنی تہذیب اور اخلاقیات کو نوچ کر بزرگوں کے منہ پر دے مارتی ہے۔ گذشتہ کچھ عرصہ سے انگریزی تعلیمی اداروں میں پڑھنے والوں کا یہ حال ہے کہ ان کو یہ پتہ بھی نہیں ہوتا کہ محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد کون تھے۔ ان کے آئیڈیل مائیکل جیکسن اور شاہ رخ ہوتے ہیں۔ ان اداروں میں یہ دن بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔ ویلنٹائن ڈے کو فروغ دینے والے مخصوص طبقہ نے پہلے ہی ''ہیپی نیوایر'' اور پھر بسنت کو قومی تہوار بنانے میں موثر کردار ادا کیا ہے۔ قوم کے محبت وطن حلقوں اور صاحبان ارباب و اختیار کو چاہیے کہ وہ اس قسم کے لغو اور بے راہروی کی ترویج دینے والے تہواروں کی حوصلہ شکنی کریں تاکہ قوم اس قسم کے مخرب الاخلاق تہواروں کے خطرناک اثرات سے بچ جائے۔ آمین

ویلنٹائن ڈے کا تاریخی پس منظر

چوہدری ناصر احمد (شاہدرہ)

گذشتہ سال بندہ کی نظروں سے چند وزرا کے بیانات اخبارات کے ذریعہ گذرے کہ ویلنٹائن ڈے کا تہوار محبت کے جذبوں کا اظہار ہے۔ امسال روزنامہ نیا اخبار یکم فروری 2015ء کے شمارے میں صفحہ اول پر شہہ سرخی کے ساتھ خبر ہے کہ 14 فروری کو پاکستان سمیت دنیا بھر میں ویلنٹائن ڈے منایا جائے گا۔ قیمتی تحائف، سرخ پھولوں اور تہنیتی کارڈز کے تبادلے ہوں گے۔ یہ تہوار پاکستان کا قومی تہوار نہیں ہے اسکے باوجود نوجوان نسل بھرپور طریقہ سے اس دن کو منانے کا اہتمام کرتی ہے اور پاکستان میں بھی ٹی وی، اخبارات اور ریڈیو پر نوجوانوں کے پیغامات شائع اور نشر ہوتے ہیں۔

مغرب اور مشرق کی تہذیبوں کا یہی فرق ہے کہ مغرب خاندان کے ادارہ سے محروم ہو چکا ہے اور عوامی خوشیوں کے لئے اسی قسم کی رسومات کا سہارا لیا جاتا ہے لیکن مشرقی تہذیب میں خاندانی نظام قائم ہے اور اسی وجہ سے گھرانے خوشیوں کے گہوارے ہوتے ہیں۔ اس لئے مغرب کے مقابلہ میں مشرقی تہذیب میں اس قسم کی اختراعی رسومات اور تہواروں کی ضرورت کم ہوتی ہے۔

پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور اسلامی تہذیب میں خوشیاں بھی عبادت میں شامل ہوتی ہیں اور اعتدال کا دامن تھامے ہوئے سنجیدگی، بردباری اور میانہ روی نظر آتی ہے۔ اس طریق پر خوشیاں بہتر طریق پر منائی جاتی ہیں۔ یہ مناظر سب کو اچھے لگتے ہیں مگر مسرت اور بے حیائی، شوخی سے ان کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ سرشاری اور سرمستی کے فاصلوں کا برقرار رکھنا ہی تہذیب کا حسن اور تمدن کا کمال ہے۔

ویلنٹائن ڈے مشرقی روایات کو کچلنے کا کام کرتا ہے۔ یہ دن خوشی کے نام پر ایک ایسا درخت ہے جسے فاشی و عریانی کے جلو میں مغربی تہذیب نے سینچا ہے۔ اس لئے میں ایک پاکستانی کی حیثیت سے ویلنٹائن ڈے کے تہوار کا پس منظر پیش کرتا ہوں۔ ویلنٹائن کی تاریخ کا حوالہ ایک عیسائی صوفی کے حوالہ سے منائے جانے والا ایک دن ہے جو وقت اور تمدنی تبدیلیوں کے عمل سے گذر کر محض ناچ و سرور اور عشق معاشقہ کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

مغربی لوگوں نے اپنے سفلی جذبات کی تسکین کے لئے ویلنٹائن سے کیا کچھ تخلیق کیا اور کیسی بے راہ روی پھیلائی۔ اس کی جھلک مندرجہ ذیل واقعات اور روایتوں سے پیش خدمت ہیں:

(ا): ویلنٹائن ڈے 14 فروری کو پوری دنیا میں یوم محبت کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس دن عیسائی سینٹ ویلنٹائن نے روزہ رکھا تھا اور لوگوں نے اسے محبت کا دیوتا مان کر یہ دن اس کے نام کر دیا تھا۔ کئی لوگ اسے کیوپڈ (محبت کا دیوتا) اور اُس کی ماں وینس کو (حسن کی دیوی) سے موسوم کرتے ہیں۔ تاریخی شواہد کے مطابق ویلنٹائن کا آغاز قدیم رومن تہذیب کے زمانہ سے چلا آرہا ہے۔

(۲): 14 فروری کا دن دیوتاؤں کی ملکہ جونو کے اعزاز میں یوم تعطیل کے طور پر منایا جاتا ہے۔ دیوی جونو کو اہل روم شادی کی دیوی بھی کہتے تھے۔ اس موقع پر پورے روم میں رنگا رنگ پروگرام ہوتے ہیں۔ ایک دوسری روایت کے مطابق روم کے شہنشاہ لارڈ کلاڈیس دوم کے عہد میں مسلسل جنگوں کی وجہ سے مردوں کی تعداد بہت کم ہوگئی تھی اور جو کچھ تھوڑے رہ گئے تھے وہ اپنی بیویوں کو چھوڑ کر پردیس جانا پسند نہ کرتے تھے۔ اس لئے بادشاہ نے شادیوں پر پابندی لگا دی تو پادری سینٹ ویلنٹائن نے سینٹ ماربس کے ساتھ مل کر نوجوانوں کی خفیہ شادیوں کا اہتمام کیا۔ پتہ چل جانے پر شہنشاہ نے ویلنٹائن کو گرفتار کر لیا اور 270ء میں اُسے قتل کر دیا گیا۔ اس طرح 14 فروری ویلنٹائن کی موت کے

باعث ایک معتبر دن قرار پایا گیا۔

(۳) برطانیہ میں بھی ایک نامور شخص ویلنٹائن نامی تھا۔ یہ بھی بشپ تھا اس کو عیسائیت پر ایمان کے جرم میں 14 فروری 269ء کو پھانسی دے دی گئی تھی۔ یہ بھی مشہور ہوا کہ اس بشپ کو جیلر کی بیٹی سے محبت ہوگئی تھی اور اس واقعہ کی یاد میں محبت ناموں، پیغامات، کارڈز اور سرخ گلاب کے پھول بھیجنے کا رواج عمل میں آیا۔

(۴) ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ اگر کسی عورت کے سر پر سے کوئی چڑیا گذرے تو اس کی شادی کسی ملاح سے ہوتی ہے اور اگر کوئی عورت اس دن کوئی چڑیا دیکھ لے تو اس کی شادی کسی غریب سے ہوتی ہے لیکن زندگی خوشگوار گذرے گی۔ اور اگر عورت کسی سنہرے پرندے کو دیکھ لے تو اس کی شادی کسی امیر شخص سے ہوگی لیکن زندگی ناخوشگوار گذرے گی۔ زمانہ قدیم میں اگر کوئی اولاد کی تعداد کے بارے میں جاننا چاہتا تو وہ ایک سیب لے کر درمیان سے کاٹتا، کٹے ہوئے سیب کے آدھے حصے پر جتنے بیج ہوتے اُتنے ہی بچے پیدا ہونے خیال کیا جاتا۔

(۵) چودھویں صدی میں ویلنٹائن ڈے منانے کے رواج کا آغاز ہوا۔ 19ویں صدی کے آغاز پر ویلنٹائن کارڈ بھیجنے کی روایت باقاعدہ شروع ہوگئی جو اب تک جاری ہے۔ جن معاشروں میں مردوں اور عورتوں کے آزادانہ ناچ گانے کی اجازت نہ ہو وہاں منچلے لوگ ویلنٹائن جیسے غلط تہوار کو رواج دینے کی کوشش کرتے ہیں اور مذہبی شخصیات کے لبادے میں عریانی اور فحاشی جنم لیتی ہے۔

(۶): ایک رپورٹ کے مطابق دنیا میں ویلنٹائن نام کے تین سینٹ ہوگذرے ہیں۔ ان تینوں میں سے دو کے تیسری صدی عیسوی میں سر قلم کردیئے گئے تھے۔ ان میں سے کسی کا تعلق کسی ایسی تقریب کے رواج دینے سے نہ تھا۔ اکانومسٹ کی رپورٹ کے مطابق ویلنٹائن ڈے بہار کی آمد آمد پرندوں کی مسرت کے اظہار کی علامت ہے۔ انگریزی میں ویلنٹائن پر سب سے پہلی نظم 1382ء میں چوسر نے ''پارلیمنٹ آف فاؤلز'' کے عنوان سے لکھی۔

(۷) 14 فروری کو ویلنٹائن ڈے منانے کی مورخین دو وجوہات بیان کرتے ہیں۔ اہل روم زمانہ قدیم سے ہی فروری کا وسط بڑا متبرک خیال کرتے تھے۔ روم کے عوام 14 فروری کو موسم سرما اور موسم گرما کا عین درمیان سمجھتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ یہ دو موسموں کے ملاپ کا دن ہے۔ اس دن وہ گھروں کو خوب سجاتے اور صاف کرتے تھے۔ خوشبودار اگربتیوں کا بندوبست کرتے تھے۔ اس دن کو وہ زراعت کے دیوتا FAUNUKS کا دن کہتے تھے اور FAUNUS دیوتا کے مقدس غار کے گرد جمع ہوجاتے تھے۔ پادری دعائیں پڑھتے تھے اور اس کے بعد ایک بکری کی قربانی کرتے کہ فصلوں کی اچھی پیداوار ہوگی اور روحانی درجات کو بلند کرنے کے لئے ایک کتے کو ذبح کرتے۔ یہ روم کا قدیم تہوار تھا۔ مورخین کے مطابق وقت کے ساتھ ساتھ یہ تہوار بدلتا رہا یہاں تک کہ ویلنٹائن کا واقعہ آ گیا اور اس نے یہ شکل اختیار کرلی۔

(۸) 15 فروری کو دنیا بھر میں پرندوں کے جنسی اختلاط کے دن شروع ہوتے ہیں۔ وہ انڈے دیتے ہیں۔ انگریز اس کو میٹنگ سیزن کہتے ہیں۔ ویلنٹائن کہا کرتا تھا کہ جس موسم میں پرندے آپس میں ملتے ہیں۔ انسان ایک دوسرے سے کیوں دور رہیں۔ پہلا ویلنٹائن ڈے روم میں 207ء کو منایا گیا۔ پھر یورپ میں یہ دن منایا جاتا رہا لیکن شہرت نہ پاسکا۔ فروری 1415ء کو ڈیوک آف آریز نے اپنی بیوی کے نام ویلنٹائن ڈے کی مناسبت سے ایک کارڈ پر نظم لکھی۔ یہ دنیا کا پہلا ویلنٹائن کارڈ تھا۔ بعدازاں برطانیہ کے بادشاہ ایڈورڈ ہفتم نے اس نظم کی موسیقی تیار کروائی۔ یہ ویلنٹائن ڈے کا پہلا گیت تھا۔ ملکہ وکٹوریہ نے ویلنٹائن ڈے پر کارڈ تقسیم کرنے شروع کردیئے۔ اس کی پیروی میں دوسرے عمائدین نے بھی کارڈ بنوانے اور تقسیم کرنے شروع کردیئے یوں یہ رسم ورواج ہوگئے۔

(۹) روم کے قید خانے میں ایک قیدی تھا جو گھروں میں گھس کر خواتین سے زیادتی کیا کرتا تھا۔ اس کا نام بھی پادری سینٹ ویلنٹائن تھا۔ اس نام سے بھی اس تہوار کو بڑی شہرت ملی۔ یورپ کے بعض ملکوں نے اس تہوار کی بڑھتی ہوئی فحاشی کو دیکھ کر اس پر پابندی عائد کردی تھی۔ بلکہ ریاستی طاقت کے ذریعے اس کو بالکل ختم کردیا گیا تھا۔ مگر برطانیہ کے بادشاہ چارلس دوم نے نہ صرف اس تہوار کو دوبارہ شروع کیا بلکہ اس کی سرپرستی بھی کی۔ **(بقیہ صفحہ نمبر 21)**

وقت تھا وقتِ مسیحانہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

محترمہ آمنہ سعید

حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے مسیح موعود ہونے کے دعویٰ کے چند اہم پہلو

حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ نے اپنی زندگی میں 3 بنیادی دعاویٰ کیئے:

(۱) مجدد یعنی تجدید دین کرنے والا (۲) مہدی یعنی ہدایت دینے والا (۳) مسیح موعود

مجدد ہونے کا دعویٰ آپ نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں جو 1888ء میں شائع ہوئی اور اس کتاب کی مقبولیت کی وجہ سے بڑی تعداد میں مسلمان آپ کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ آپ نے باقاعدہ دعویٰ مجددیت 1885ء میں ایک اشتہار کے ذریعے کیا۔

1890ء میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے ان آیات کی نشاندہی کی جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی تھی اور بتایا کہ احادیث کی کتب میں مسیح کی دوبارہ آمد تمثیلی رنگ میں اس ہستی کے لئے ہے جو روحانی طور پر مسیح کا مشابہ ہے اور وحی سے آپ کو یہ اطلاع دی گئی کہ آپ یعنی حضرت مرزا غلام احمد وہی مسیح موعود ہیں۔

قوم جو کہ اسرائیلی مسیح کے نزول کی منتظر تھی۔ اس دعویٰ کے بعد آپ کی سخت مخالف ہو گئی۔ اس زمانہ میں اور آج بھی بہت سے لوگوں کا سوال ہے کہ اس دعویٰ کی کیا ضرورت تھی؟ اس دعویٰ کے کچھ اہم پہلو حضرت صاحب کی کتب ''فتح اسلام''، ''ازالہ اوہام'' اور ''تحفہ بغداد'' سے پیش خدمت ہیں۔

پہلا تاریخی پس منظر۔ دوسرا، اسلام کی بنیادی تعلیمات پر اثر اور تیسرا ہمارے لئے اہم سبق۔ سب سے پہلے زمانی ترتیب سے ان ظاہری نشان کا ذکر ان کی کتاب ''فتح اسلام'' میں یوں درج ہے:

''میں اس کو بار بار بیان کروں گا اور اس کے اظہار سے میں رُک نہیں سکتا کہ میں وہ ہوں جو وقت پر اصلاح خلق کے لئے بھیجا گیا تا دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے۔ میں اس طرح بھیجا گیا ہوں جس طرح سے وہ شخص بعد کلیم اللہ مرد خدا کے بھیجا گیا تھا جس کی روح ہیروڈیس کے عہدِ حکومت میں بہت تکلیفوں کے بعد آسمان کی طرف اُٹھائی گئی۔ سو جب دوسرا کلیم اللہ جو درحقیقت سب سے پہلا اور سید الانبیاء ہے دوسرے فرعونوں کی سرکوبی کے لئے آیا جس کے حق میں ہی فرمایا ''ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا (جو) تم پر گواہ ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا'' (المزمل 15:)۔ تو اس کو بھی جو اپنی کارروائیوں میں کلیم اوّل کا مثیل مگر رتبہ میں اس سے بزرگ تھا ایک مثیل المسیح قوت اور طبع اور خاصیت مسیح ابن مریم کی پا کر اسی مدت کے قریب قریب جو کلیم اول کے زمانہ سے مسیح ابن مریم کے زمانہ تک تھی یعنی چودھویں صدی میں آسمان سے اُترا اور وہ اُترنا روحانی طور پر تھا جیسا کہ مکمل لوگوں کا صعود کے بعد خلق اللہ کی اصلاح کے لئے نزول ہوتا ہے۔ اور سب باتوں میں اس زمانہ کے ہم شکل زمانہ میں اُترا جو مسیح ابن مریم کے اُترنے کا زمانہ تھا تا سمجھنے والوں کے لئے نشان ہو۔''

یہ نشان ہے اس تاریخی اہمیت کا جو 1400 سال سے درج چلا آتا ہے اور اس میں بائبل کے اکثر مفسرین کی بتائی ہوئی زمانوی ترتیب کی تشریح بھی شامل

ہیں۔شاید کچھ لوگ اس ظاہری موازنہ کو نہ سمجھ پائیں اس لئے ہم دونوں زمانوں کے زمینی حقائق کا موازنہ کرتے ہیں۔

روحانی مشابہت

''پس جبکہ اس اُمت کو بھی اپنے نبیؑ کی بعثت کے عہد پر1400برس کے قریب مدت گذرے گی تو وہی آفات ان میں بکثرت پیدا ہوگئیں جو یہودیوں میں پیدا ہوئی تھیں تا وہ پیشگوئی پوری ہو جوان کے حق میں کی گئی تھی۔ پس خدا تعالیٰ نے ان کے لئے بھی ایک ایمان کی تعلیم دینے والا مثیل مسیح اپنی قدرت کاملہ سے بھیج دیا۔

یہ زمانہ جس میں ہم ہیں یہی ایک زمانہ ایسا ہے کہ ظاہر پرستی اور روح اور حقیقت سے دوری اور دیانت اور امانت سے محرومی اور لالچ اور بخل اور جب نیا دین سے معموری اس زمانہ میں عام طور پر ایسی ہی پھیل گئی ہے جیسے حضرت مسیح ابن مریم کے ظہور کے وقت یہودیوں میں پھیلی ہوئی تھی۔۔۔۔تقویٰ اور خدا ترسی میں بڑا فرق آ گیا ہے۔ایمانی کمزوری نے الٰہی محبت کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ دنیا کی محبت میں لوگ دبے جاتے ہیں اور ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا کیونکہ حضرت عالی سیدنا مولانا صلعم بطور پیشگوئی بتا چکے ہیں کہ امت پر ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں وہ یہودیوں سے سخت درجہ کی مشابہت پیدا کرلیں گے اور وہ سارے کام کر دکھائیں گے جو یہود کر چکے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر یہود چوہے کے سوراخ میں داخل ہوئے ہیں تو وہ بھی داخل ہوگی''تب مسلمان فارسی کی اصل میں سے ایک ایمان کی تعلیم دینے والا پیدا ہوگا اگر ایمان ثریا پر معلق ہوتا تو وہ اسے اس جگہ سے پالیتا۔''

فرقہ واریت

''حضرت عیسیٰؑ ابن مریم بھی اسی کام اور اس زمانے میں آئے تھے جبکہ یہودیوں کے مسلمانوں کی طرح بہت فرقے ہوگئے تھے اور توریت کے صرف ظاہری الفاظ کو انہوں نے پکڑ لیا تھا اور روح اور حقیقت چھوڑ دی تھی اور نکمی نکمی باتوں پر جھگڑے برپا ہوگئے تھے اور باہم کمینگی اور کم حوصلگی کی وجہ سے بغض اور حسد اور کینہ ان متفرق فرقوں میں پھیل گیا تھا۔ایک کو دوسرا دیکھ نہیں سکتا تھا اور شیر اور بکری کی عداوت کی طرح ذاتی عداوتوں تک نوبت پہنچ گئی تھی۔۔۔اور صرف چند رسوم اور عادات کو مذہب سمجھا گیا تھا سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کو بشارت دی تھی کہ آخری زمانہ میں تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔ بہت سے فرقے تم میں نکل آئیں گے اور بہت سے متضاد خیالات پیدا ہوجائیں گے اور اگر ننانوے وجہ اسلام کے موجود ہوں تو صرف ایک وجہ کفر کی وجہ سمجھ کر کافر ٹھہرایا جائے گا۔سو باہمی تکفیر کی وجہ سے سخت نفرت اور بغض اور عداوت باہم پیدا ہوجائے گی اور بوجہ اختلاف رائے کے کینہ اور حسد اور درندوں کی سی خصلتیں پھیل جائیں گی اور وہ اسلامی خصلت جو ایک وجود کی طرح کامل اتحاد کو چاہتی ہے اور محبت اور ہمدردی باہمی سے پُر ہوتی ہے بکلی تم میں سے دور ہوجائے گی اور ایک دوسرے کو ایسا اجنبی سمجھ لے گا جس سے مذہبی رشتہ کا بکلی تعلق ٹوٹ جائے گا اور ایک گروہ دوسرے کو کافر بنانے کی کوشش کرے گا جیسا کہ مسیح ابن مریم کی بعثت کے وقت یہی حال یہود کا ہو رہا تھا اور اس اندرونی تفرقہ اور بغض اور حسد اور عداوت کی وجہ سے دوسری قوموں کی نظر میں نہایت درجہ کے حقیر اور ذلیل اور کمزور ہوجائیں گی۔''

علماء کی سوچ

ان دونوں زمانوں کے علماء اور مذہبی رہنماؤں کی سوچ اور رویوں میں شدید مماثلت ہے۔

حضرت صاحب لکھتے ہیں:''ہمارے اکثر علماء بھی اس وقت کے فقیہوں اور فریسیوں سے کم نہیں۔مچھر چھانتے اور اونٹ کو نگل جاتے ہیں۔آسمان کی بادشاہت لوگوں کے آگے بند کرتے ہیں نہ تو آپ اس میں جاتے ہیں اور نہ جانے والوں کو جانے دیتے ہیں۔لمبی چوڑی نمازیں پڑھتے ہیں مگر دل میں اس معبود حقیقی کی محبت اور عظمت نہیں۔منبروں پر بیٹھ کر بڑے رقت آمیز وعظ کرتے ہیں مگر ان کے اندرونی کام اور ہیں''۔

حضرت صاحب کی سب سے زیادہ مخالفت خود مسلمان علماء نے کی۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا کی تعلیم بتائی تو اس وقت کے فریسیوں نے ان کی مخالفت کی کیونکہ آپ کا تعلق کسی طاقتور مذہبی گروہ سے نہیں تھا۔ وہ آپ کا مذاق اُڑاتے اور آپ کو پنگھوڑے میں چھوٹے بچے کے نام سے بلاتے۔ سو جب آپ نے خدا کے معمور ہونے کا دعویٰ کیا تو اس دعویٰ کے الفاظ بدل کر ان کو خدا کا بیٹا یا خدا ہونے کا دعویٰ قرار دیا جس کی سزا رومی قانون میں صلیبی موت تھی۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا تعلق کسی طاقتور مذہبی گھرانے سے نہیں تھا۔ جب آپ کی تعلیمات کا چرچہ ہوا تو مذہبی اشرافیہ نے آپ کے دعویٰ کو توڑ مروڑ کر پیش کیا اور دعویٰ نبوت کا الزام عائد کر دیا باوجود اس کے کہ آپ ساری زندگی دعویٰ نبوت سے انکار کرتے رہے۔

سیاسی پس منظر

دونوں زمانوں کے علماء کا یہ رویہ سطحی سوچ اور پیش گوئیوں کی غلط تاویل کی وجہ سے تھا۔ یہودی اس مسیح کی تلاش میں تھے جو ان کو کھوئی ہوئی سلطنت واپس دلا دے اور حضرت داوٗد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے خزانے اور طاقت اور شان وشوکت لٹا دے جبکہ حضرت عیسیٰ ابن مریم ایسے خلیفۃ اللہ تھے جن کے ہاتھ ظاہری عنان حکومت نہیں تھی اور سیاست ملکی اور اس دنیاوی بادشاہت ان کا مقصد نہیں تھا وہ دنیا کے ہتھیاروں سے کچھ کام نہیں لیتے تھے بلکہ اس ہتھیار سے کام لیتے تھے جو ان انفاسِ طیبہ میں ہوتا ہے یعنی موجع بیان سے جو ان کی زبان پر جاری کیا گیا تھا جس کے ساتھ بہت سی برکتیں تھیں اور جس کے ذریعے سے وہ مرے ہوئے دلوں کو زندہ کرتے تھے اور بہرے کانوں کو کھولتے تھے اور اندھوں کو سچائی کی روشنی دکھاتے تھے۔ یہودیوں کو ایسے مسیح کا کیا فائدہ تھا جو کہ ان کو بادشاہت اور طاقت نہ دلا دے۔

اب ہم مسلمانوں کی حالت پر غور کرتے ہیں۔ جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد برصغیر کے مسلمانوں پر یہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح حالتِ محکومی سے نجات حاصل کر کے اپنی سلطنت قائم کریں اور اس مقصد میں ایک ایسے مذہبی رہنما کی ضرورت تھی جو ایسے جہاد کا الم اٹھا لے۔ جب حضرت اقدس نے یہ اعلان کیا کہ اسلام کا غلبہ ہمیشہ سے دلائل و براہین اور روحانیت سے ہوتا چلا آرہا ہے اور اس طریق پر آئندہ بھی ہوگا تو وہ مسلمانوں کے خیال یعنی وہ مہدی جو بزور شمشیر کافروں کو مسلمان کرے گا اور ایک نئی سلطنت بنائے گا اس کے بالکل برعکس تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مرزا غلام احمد دونوں کا درویشانہ اور صوفیانہ شان میں تشریف لانا نہ کہ دنیاوی شان وشوکت کے ساتھ جس کے لوگ منتظر تھے ایک بڑا نشان اور واضح مماثلت ہے۔ حضرت صاحب کے ان چند اشعار سے یہ بات ظاہر بیان ہے:

یاد وہ دن جبکہ لیتے تھے یہ سب ارکان دین
مہدی موعو دِ حق اب جلد ہوگا آشکار
کون تھا جس کی تمنا یہ نہ تھی اک جوش سے
کون تھا جس کو نہ تھا اس آنے والے سے پیار
پھر وہ دن جب آ گئے اور چودھویں آئی صدی
سب سے اول ہو گئے منکر یہی دیں کے منار
پھر دوبارہ آ گئی احبار میں رسم یہود
پھر مسیحِ وقت سے دشمن ہوئے یہ جبہ دار
میں تو آیا اس جہاں میں ابن مریم کی طرح
میں نہیں مامور از جہاد و کارزار
ایسے مہدی کے لئے میدان کھلا تھا قوم میں
پھر تو اس پر جمع ہوئے ایک دم صد ہزار
پر یہ تھا رحمِ خداوندی کہ میں ظاہر ہوا
آگ آئی گر نہ میں آتا تو پھر جاتا قرار

اس تاریخی پس منظر کے بعد اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت صاحب کے اس دعویٰ سے اسلام کی بنیادی تعلیمات پر کیا اثر ہوا۔

عیسائیت کا جواب

اس زمانہ میں برصغیر میں عیسائیت زور پکڑ رہی تھی اور انگریز مشنریوں کے ہاتھوں مسلمان بڑی تعداد میں عیسائیت میں داخل ہو رہے۔ کچھ کی وجہ دنیاوی فائدہ تھا لیکن پادریوں کا سب سے بڑا ہتھیار مسلمانوں کا حیات مسیح کا نظریہ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اگر نجات مسلمانوں کی بھی مسیح ابن مریم کے ہاتھ پر ہے اور وہی آخری زمانے میں آ کر اسلام کا دفاع اور تجربہ کرنے والا ہے تو پھر بہتر تو یہ ہے کہ مسلمان پہلے ہی عیسیٰ ابن مریم کے پیرو ہو جائیں۔ اس کے علاوہ ان کا یہ بھی سوال تھا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی آخری امام ہیں تو پھر کس مذہب کے نبی کی برتری ظاہر ہے؟ مسلمانوں کے پاس ان سوالات کے جواب نہ تھے اس لئے لوگ عیسائیت کی طرف راغب ہو رہے تھے۔

عیسائیت کے خلاف سب سے بڑا ہتھیار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ثبوت تھا جو حضرت مرزا صاحب نے قرآن سے واضح کیا اور دوسرا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی معنی میں خاتم الانبیاء ہونا ثابت کیا۔ آپ لکھتے ہیں:

''اے میرے دوستو میری ایک آخری وصیت کو سنو اور ایک راز کی بات کہتا ہوں اس کو خوب یاد رکھو کہ تم اپنے ان تمام مناظرات کا جو عیسائیوں سے تمہیں پیش آتے ہیں پہلو بدل لو اور عیسائیوں پر ثابت کر دو کہ درحقیقت مسیح ابن مریم ہمیشہ کے لئے فوت ہو چکا ہے۔ یہی ایک بحث ہے جس میں فتح یاب ہونے سے تم عیسائی مذہب کی روئے زمین سے صف لپیٹ دو گے۔ تمہیں کچھ بھی ضرورت نہیں کہ دوسرے لمبے لمبے جھگڑوں میں اپنی اوقات عزیز کو ضائع کرو۔ صرف عیسیٰ ابن مریمؑ کی وفات پر زور دو اور پر زور دلائل سے عیسائیوں کو لاجواب اور ساکت کرو۔۔۔۔ ان کے مذہب کا ایک ہی ستون ہے اور وہ یہ ہے کہ اب تک مسیح ابن مریم آسمان پر زندہ بیٹھا ہے۔ اس ستون کو پاش پاش کرو پھر نظر اُٹھا کر دیکھو کہ عیسائی مذہب دنیا میں کہاں ہے۔ چونکہ خدا تعالیٰ بھی چاہتا ہے کہ اس ستون کو ریزہ ریزہ کرے اور یورپ اور ایشیاء میں توحید کی ہوا چلا وے۔ اس لئے اس نے مجھے بھیجا اور میرے پر اپنے خاص الہام سے ظاہر کیا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے چنانچہ اس کا الہام یہ ہے کہ ''مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے''۔

ختم نبوت کا مطلب

آپ لکھتے ہیں:

''ہاں اگر تُو قرآن پر ایمان رکھتا ہے تو پھر وفات مسیحؑ اور اس کے آسمان سے نہ اُترنے پر ایمان لا جیسا کہ تُو رب العالمین کے کلام میں پڑھتا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ لفظ آسمان سے نزول حدیث میں نہیں پایا جاتا اور یہ سوائے افترا کرنے والوں کے افترا کے اور کچھ نہیں۔ تمام احادیث اس بات پر اتفاق کرتی ہیں کہ مسیح موعود اس اُمت میں سے آئے گا کیونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے اور ہمارے رسول صلعم خاتم النبین ہیں۔۔۔۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ جو بنی اسرائیلی نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر ایمان رکھتا ہے وہ تو رسول اللہؐ کے خاتم النبیین ہونے کا انکار کرتا ہے۔

پس افسوس ہے ان لوگوں پر جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد نازل ہونے والا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے اور قرآن کے بعض احکام کو منسوخ کریں گے اور کچھ ان میں اضافہ کریں گے۔ علاوہ ازیں ان پر چالیس سال تک وحی نازل ہوتی رہے گی اور وہ خاتم المرسلین ہوں گے حالانکہ رسول اللہ صلعم فرما چکے ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور اللہ نے ان کا نام خاتم الانبیاء رکھا پس ان کے بعد کسی نبی کا ظہور کیسا! اے مسلمانوں کے گروہ! کیا تم فکر نہیں کرتے''۔

قرآن کی فوقیت

حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کا تیسرا پہلو مسلمانوں میں قرآن کی فوقیت قائم کرنا تھا جو کہ حدیث کی بناء پر قرآنی آیات کو منسوخ قرار دینے سے بھی نہیں کتراتے تھے سو فتنہ پیدا ہوتا تھا۔ اس دعویٰ کے ذریعے حضرت مرزا صاحب نے ایک واضح اصول بیان کر دیا جس سے قرآن و حدیث کی اہمیت

میں فرق ظاہر ہوا۔آپ لکھتے ہیں:

''مثال کے طور پر تم وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلے کو ہی دیکھ لو کہ کس طرح وہ کتاب اللہ کے متواتر اور صحیح دلائل سے ثابت ہے۔ان کی وفات پر تقریباً 30 آیات واضح طور پر گواہی دیتی ہیں اور ان آیات کو ہم نے طالبوں کے لئے اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' میں درج کیا ہے۔پس اگر اس کے بعد تُو دمشقی حدیث کا ذکر کرے جو صحیح مسلم میں مذکور ہے تو جان لے کہ اس میں شک نہیں کہ اس کی ظاہری تفسیر قرآن کے معارض ہے پھر اس حدیث کے خلاف اور دوسری حدیث بھی موجود ہیں جن کا ذکر ہم نے اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' میں کیا ہے۔ایک مسلمان اس پر ہرگز راضی نہیں ہوگا کہ وہ یقینی اور قطعی قرآن کو ایک ایسی حدیث کی وجہ سے چھوڑ دے جو کہ یقین کے مرتبہ تک نہیں پہنچتی۔اور اگر ہم ایسا کریں اور احادیث کو کتاب اللہ پر ترجیح دے دیں تو دین اور ملت باطل ہو جائیں اور ان میں فساد پیدا ہو جائے گا۔امن اُٹھ جائے گا اور ایمان متزلزل ہو جائے گا اور ہم پر کفار کی یورش زیادہ شدت اختیار کر جائے گی۔ہاں ہم صرف اس قدر مشترک پر ایمان لاتے ہیں جو کہ قرآن کے خلاف نہیں اور وہ یہ ہے کہ مسیح موعود نصاریٰ کے غلبہ کے وقت مجدد کی حیثیت سے صدی کے سر پر آئے گا۔ وہ اس ملک میں پیدا ہوگا جس ملک کو انہوں نے اپنے فساد کا مرکز بنایا اور وہاں کے مسلمان باشندوں کو عیسائی بنا دیا۔وہ ان کی صلیب کو توڑے گا اور خنزیروں کو قتل کرے گا اور باقی رہ جانے والوں کو سعادت میں داخل کرے گا۔

اگر بخاری اور اس کے علاوہ دوسری کتب میں موجود آثار احادیث قرآن کریم کی طرح یقینی ہیں تو پھر ان کا انکار لازمی طور پر کفر ہے جیسا کہ قرآن کی آیات کے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔یقیناً علماء کرام اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں اگر احادیث کے انکار سے کفر لازم آجائے تو پھر تمام مسلمان کافر ہو جائیں گے۔''

جہاد کا مفہوم

آپ لکھتے ہیں: ''میں یقین رکھتا ہوں کہ ان حملوں کے دن نزدیک ہیں مگر یہ حملے تیغ و تیر سے نہیں ہوں گے اور تلواروں اور بندوقوں کی حاجت نہیں پڑے گی بلکہ روحانی اسلحہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی مدد آئے گی اور یہودیوں سے سخت لڑائی ہوگی۔وہ کون ہیں؟ اس زمانے کے ظاہر پرست لوگ جنہوں نے بالاتفاق یہودیوں کے قدم پر قدم رکھا ہے ان سب کو آسمانی سیف اللہ دو ٹکڑے کر دے گی اور یہودیت کی خصلت مٹا دی جائے گی اور ہر ایک حق پوش دجال دنیا پرست یک چشم جو دین کی آنکھ نہیں رکھتا حجتِ قاطعہ کی تلوار سے قتل کیا جائے گا اور سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آ چکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا''

اس مضمون کا مقصد حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ کا تاریخی پس منظر اور مذہبی اہمیت ظاہر کرنا تھا بلکہ یہ بھی یاد دلانا تھا کہ حضرت مرزا صاحب اور ان کی جماعت کے ساتھ ہونے والے واقعات کوئی انوکھی بات نہیں ہیں بلکہ یہ ایک رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مماثلت کی بنا پر ہے۔آخر میں حضرت مرزا صاحب کے ان الفاظ پر اس مضمون کو ختم کرتی ہوں:

''پس ہر ایک کو چاہیے کہ اس سے انکار کرنے میں جلدی نہ کرے تا خدا سے لڑنے والا ٹھہرے۔دنیا کے لوگ جو تاریک خیال اور اپنے پرانے تصورات پر جمے ہوئے ہیں وہ اس کو قبول نہیں کریں گے مگر عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جو ان کی غلطی ان پر ظاہر کر دے گا۔دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کرے گا۔یہ انسان کی بات نہیں خدا تعالیٰ کا الہام اور رب جلیل کا کلام ہے۔''

☆☆☆☆

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دار السلام۔۵۔عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

ہم تو ہیں شمعیں جلانے والے

عامر عزیز الازہری

محبت میری آزمالیں زمانے والے
گلشن بچا نہ پائے آگ جلانے والے
مقدس سیلِ رواں میں بہہ جائیں گے
بے نواؤں کو خون کے آنسو رلانے والے
یہ شبِ ظلمت کے سائے تمہارا تحفہ ہے
ہم تو ہیں شمعیں جلانے والے
چاہو تو برباد کر ڈالو مسکن میرا
نئ بسا لیں گے بستیاں بسانے والے
رک نہ پائیں گے اُٹھتے قدم میرے
ہم ازل سے ہیں کشتیاں جلانے والے
کیونکر جانیں میری پتھرائی آنکھوں کا راز
ماتم پہ بھی شادیانے بجانے والے
خزاں ہی میرے چمن کا مقدر ٹھہری
موسم روٹھ گئے پیامِ بہار لانے والے
جیسے چاہو خابوں کی دنیا بسا لو تم
تہہ خاک سو گئے خوابِ غفلت سے جگانے والے
اب کے قحطِ وفا کا یہ عالم ہے عزیزؔ
معتبر ٹھہرے قاتل تیر چلانے والے